ماهنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

November 2022





وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 01 November 2022

Rabi al-Thani/ Jumada al-Awwal 1444 AH

جلد: 43 شمارہ: 01 نومبر 2022ء

ربیع الاول/ربیع الثانی 1444ھ

فہرست مضامین

فکر ونظر	وفات ایک پیکر علم وتحقیق دوست کی	محمد عبدالہادی عمری مدنی	03
ایمان وعقائد	شرک اور اس کی مختلف مروّجہ صورتیں (قسط 2)	مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ	05
ندائے حرم	صاف گوئی کا مفہوم اور اس کے انفرادی اور معاشرتی اثرات	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم حفظہ اللہ ترجمہ: محمد عاطف الیاس (فاضل ام القریٰ یونیورسٹی - مکہ مکرمہ) نظر ثانی: محمد اجمل بھٹی (فاضل مدینہ یونیورسٹی)	08
فقہ وفتاویٰ	سوالات کے جوابات	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	12
سوانح حیات	آہ! شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ	شیر خان جمیل احمد عمری	15
سیرت رسول	رسول اللہ ﷺ کا پیغام عاملین بدعت کے نام	محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی، حیدرآباد	19
سوانح حیات	شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ۔۔۔احوال وآثار اور علمی خدمات	حافظ شاہد رفیق	23
حدیث وعلوم الحدیث	زندگی ایسے گزاریں (قسط 11)	مترجم: حافظ فیض اللہ ناصر	26
حدیث وعلوم الحدیث	عمدۃ الأحکام، کتاب الطهارة: طہارت و پاکیزگی کی کتاب (قسط 21)	فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یوکے	28
یادرفتگان	جامعہ مدینہ کا ایک تعلیمی سال (خودنوشت سوانح حیات) (قسط 2)	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	30
سیر وسیاحت	سفر مسجد اقصی اور ارض فلسطین کی روح افزا روئیداد	حافظ عبدالاعلیٰ درانی	33
تاریخ	تاریخ اہل حدیث	ڈاکٹر بہاؤالدین	37
جماعتی خبریں	یہ پھول یوں مہکتے رہیں!	محمد عبدالہادی العمری	39

Correspondence Address:

SIRAT-E-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



وفات ایک پیکر علم وتحقیق دوست کی

محمد عبدالہادی عمری مدنی

ایک مخلص علم دوست وفا شعار ساتھی شیخ محمد عزیر شمس کا 15/ اکتوبر کی شام مکہ مکرمہ میں 66 برس کی عمر میں انتقال ہوگیا، موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کسی بھی ذی شعور کے لئے ممکن نہیں اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کب اور کس جگہ وقت مقررہ اپنے چنگل میں لے لے، لیکن بلا شک وشبہ حسن خاتمہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے ، مقدس سرزمین کعبۃ اللہ کے پڑوس اہل علم اور طلبہ کی محفل میں اچانک دل کا دورہ پڑا اور جان جان آفرین کے سپرد کردی، حصول علم کا طریقہ اور اہمیت بتارہے تھے کہ موت کا پروانہ آگیا۔ اللہ عزوجل علم دین کے اس سپاہی کی مغفرت فرمائے اور فرمان نبوی ﷺ کے مصداق جنت میں ٹھکانہ عطا کرے:

«مَن سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فيه عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ له به طَرِيقًا إلى الجَنَّةِ»

’’حصول علم کی راہ میں اٹھنے والے قدم راہی کے لیے جنت کی راہ ہموار کردیں گے۔‘‘

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہماری شناسائی قدیم اور تعلق گہرا تھا، بات ہے 1978ء کی جب ہندوستان کے کچھ طلبہ کا عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی الجامعۃ الاسلامیہ میں داخلہ ہوا، ویزا اور تکمیل اجراءات کے لیے ہمیں 2 ہفتے دہلی میں قیام کرنا پڑا۔

جامعہ دارالسلام کے 12 طلبہ ، جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ الفلاح بلیریاگنج کے کچھ فارغین اسی مقصد کے لیے دہلی پہنچ چکے تھے۔ ہم تینوں مدارس کے فارغین کا قیام جماعت اسلامی ہند کے مرکز چتلی قبر میں تھا، ان دنوں جماعت کے امیر محترم مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے، حصول ویزا کی کاروائی میں جو تکنیکی مسائل درپیش تھے انہیں حل کرنے کے لئے جامعہ دارالسلام کے معتمد عمومی محترم کاکا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں قیام فرما تھے ۔ ان کی شخصیت کا رعب کچھ ایسا تھا کہ ایمبیسی کے مسائل حل کرنے کے لئے ان سے زیادہ موزوں اس وقت کوئی دوسرا نہیں دکھائی دیتا تھا۔

کاکا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ حالات کے مطابق لباس زیب تن فرماتے، وہ سفارت خانہ جاتے تو مکمل سوٹ پہن کر جاتے ، یہ لباس جنوبی ہند کی دینی درسگاہوں کے فارغین کے لئے اجنبی نہیں تھا، لیکن شمالی ہند کے لئے اچھنبے کا باعث ضرور تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ دینی مدارس کے طلبہ اور منتظمین کو مخصوص وضع قطع میں ہی دیکھنے کے عادی تھے ، شمالی ہند کے کچھ طلبہ اس لباس پر ہلکے پھلکے اعتراض بھی کرتے لیکن کام سب کا ہورہا تھا، مدد سب کی کی جارہی تھی کیونکہ معتمد عمومی کا ظرف وسیع اور سینہ کشادہ تھا وہ نہایت فراخدلی کے ساتھ سب کی مدد کررہے تھے۔

سلفیہ کے فارغین میں ایک نام ہمارے دوست شیخ عزیر کا تھا جو اپنے ہمجولیوں کو قائل کروارہے تھے بلکہ عمرآباد کی تعریف میں رطب اللسان تھے کہ کاکا صاحب کا دبدبہ دیکھئے کہ وہ ایمبیسی بغیر پیشگی وقت لئے عوامی دروازہ کے بجائے خصوصی گیٹ سے داخل ہوتے ہیں اور انگریزی میں اس روانی سے گفتگو کرتے ہیں کہ عملہ بھی چپ سادھے ان کے آگے کھڑا رہتا ہے ، جبکہ دیگر اداروں کے فارغین کے ساتھ کوئی رہنما اور ذمہ دار تک بھی نہیں ، یہ ہماری ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی، اسی وقت سے ان کی مردم شناسی اور وسعت ذہنی کی چھاپ دل میں بیٹھ گئی، پھر کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے ویزا اور سفر کے مسائل حل ہوگئے، اور شمال وجنوب کے طلبہ مشکور و ممنون سفر حجاز پر روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد داخلہ کی کاروائی شروع ہوئی، اگرچہ کہ ہمارا تعلیمی سال ایک ہی تھا لیکن الگ الگ شعبے، شیخ نے عربی ادب کو اپنایا میرا شعبہ حدیث تھا، رہائش پہلے 2 سال ایک ہی ہاسٹل میں تھی، جو مسجد نبوی سے آٹھ دس منٹ پیدل کی دوری پر واقع عمارت عشام میں تھی ، یوں ہماری ملاقاتیں بار بار ہوتیں۔

اس وقت طلبہ کے ہجوم میں شیخ عزیر کی شان کچھ نرالی سی تھی، وہ تھے عربی ادب کے طالب علم لیکن کتب حدیث کے حصار میں رہتے، ان کا کمرہ کتب خانہ ہی دکھائی دیتا ، ہمارے ایک ملیباری ساتھی وہ کلیہ حدیث کے طالب علم تھے وہاں سے کتابیں زیادہ ملا کرتی تھیں وہ حاصل کرکے شیخ عزیر کے ہاتھ تھمادیا کرتے اور ازراہِ تفنن کہتے ان میں کیا ہے، پڑھ کر مجھے خلاصہ بتادیجئے، کتب بینی کا شوق اتنا کہ ان کے پاس ذاتی سج دھج اور تزئین وآرائش کے لئے وقت ہی کہاں بچا رہتا، دوران طالب علمی طبیعت میں جو سادگی تھی شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد بھی برقرار رہی۔

غیر عربی طلبہ عربی ادب میں دلچسپی کم رکھتے تھے لیکن شیخ عزیر کا مسئلہ قدرے مختلف تھا کہ دوسرا کوئی طالب علم کلاس میں ان سے سبقت لے جائے یہ تقریباً محال سا تھا، اسی شان اور اعزاز کے

ساتھ انہوں نے 4 سال مکمل کئے، پھر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ منتقل ہوئے۔
مسدس حالی کے حوالہ سے اردو شاعری پر عربی اثرات کے موضوع پر ایم فل کر کے ڈاکٹریٹ میں داخلہ لیا اور ہندوستان میں عربی ادب کی ترویج واشاعت پر ریسرچ کر رہے تھے۔
اپنے مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں برطانیہ کا دورہ بھی کیا، کامیابی سے اپنا مقالہ تیار کر چکے تھے کہ مشرف سپر وائزر کے ساتھ علمی اور تحقیقی نکات پر کچھ اختلافات ہوگئے، شیخ عزیر کب اپنی تحقیق سے پیچھے ہٹ سکتے تھے اسی کی زد میں ڈگری ادھوری رہ گئی، کیونکہ مشرف کی منظوری کے بغیر مقالہ پیش نہیں کیا جا سکتا تھا، طالب علم کے لئے یونیورسٹی کے قواعد وضوابط کی پاسداری ضروری ہوتی ہے، لیکن اس تگ و تاز میں اپنی توانائی ضائع نہیں کی ریسرچ اور تحقیق ہی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا، گویا:

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

اسی یونیورسٹی کے کئی طلبہ اپنے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی تصحیح و تدقیق کے لئے ان سے ہی رجوع کرتے۔
مختلف علمی اداروں کے ساتھ ان کے روابط مضبوط تھے، وہ سلف صالحین کی کتابوں خصوصاً مخطوطات پر مہارت رکھتے تھے۔
امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان کا مرکزی موضوع بن گیا، اس میں اتنی مہارت حاصل کرلی تھی کہ انہیں اتھارٹی سمجھا جانے لگا۔
ان کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ امام حرم الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن السدیس صدر امور حرمین شریفین اپنی خاص لائبریری کے محققین کی ٹیم کا انہیں رکن بنانا چاہتے تھے، لیکن امام محترم کی پیشکش پر معذرت کردی کہ
علم و تحقیق کی آزاد جولان گاہ میں راہ و رسم کی پابندیوں کا میں متحمل نہیں ہو سکتا، امام محترم کی لائبریری کے لئے حاصل کردہ بعض نادر قلمی نسخوں کی نسبت کے بارہ میں شیخ عزیر نے اشارہ کیا کہ
یہ جن شخصیات کی طرف منسوب ہیں وہ درست نہیں، ان بزرگوں کا یہ رسم الخط ہی نہیں جن کی طرف یہ منسوب ہیں۔
اس تجزیہ پر شیخ حرم بھی خوشگوار حیرت میں پڑگئے کہ ”جن مخطوطات کو سنبھال کر بڑے جتن سے رکھا گیا تھا ان کی صحت ہی مشکوک ہو کر رہ گئی۔“
مگر شیخ عزیر کی تحقیق کی دھاک کچھ ایسی تھی ان کے خلاف اعتراض آسان نہیں تھا، اسی طرح کی پیشکش انہیں مختلف احباب کی جانب سے ملتی رہی لیکن کسی کا دست نگر ہو کر کام کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں تھے، موصوف کی تحقیق سے مختلف کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں اور متعدد مقالات مختلف رسائل و مجلات کی زینت بنتے رہے۔
امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر ان کی کتاب 'الجامع لسیرۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ' دار عالم الفوائد سے شائع ہو کر علمی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے گویا یہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق عربی زبان میں ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ مجھے ایک سیٹ بطور تحفہ پیش کیا مشقت کے ساتھ اٹھا کر مکہ مکرمہ میں میری رہائش گاہ تک لے آئے اور میں اپنے دوست کی کاوش اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ساتھ والہانہ تعلق ہے کی عقیدت اور وابستگی کے باعث برمنگھم اپنے گھر لے آیا، علوم دینیہ کے رسیا زیارت حرم کے موقع پر موصوف کے ساتھ ملاقات کو بھی اپنے ٹائم ٹیبل میں شامل رکھتے۔
ہماری جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد سالانہ ملاقات حج کے موقع پر ہوا کرتی اور دیر تک مختلف علمی موضوعات زیر بحث رہتے۔
ایک مرتبہ مجھے علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کی طلاق کے متعلق کتاب کی تلاش تھی جو اس وقت بازار میں دستیاب نہیں تھی، فوری اس کی زیراکس کروا کر پیش کردیا، ایک اور مرتبہ دوسری کتاب کی ضرورت تھی کہنے لگے کہ
اس کے محقق ہمارے دوست ہی ہیں، میرے ہاں ایک نسخہ ہے وہ آپ لے لیجئے۔
ان کی اپنی ایک دنیا تھی علمی اور تحقیقی میدان میں، وہ عوامی مجلسوں اور اجتماعات سے بڑی حد تک دور رہتے، دینی جماعتوں کے درمیان جاری رسہ کشی پر کڑھتے اور بعض علماء و مشائخ جو سنی سنائی باتوں پر اظہار خیال کرنے لگتے ہیں، وہ کہا کرتے کہ
انہیں جرح و تعدیل کے اصول اپنانا چاہئے، کسی کے ساتھ آپ کے ذاتی تعلقات ہوں یا کوئی رابطہ کرنے میں تیزی دکھائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی باتیں بھی درست ہیں۔
خصوصاً معاملہ جب کسی جماعت یا ادارہ کے متعلق ہو اس میں فریق نہ بنئے ورنہ پہلے ضروری تحقیق کر لیجئے، ہند و پاک کے دینی مدارس کی اہمیت باقی رکھنے اور مزید افادیت کے لئے منتظمین کی توجہ مبذول کرواتے رہتے، وہ طلبہ اور اساتذہ میں فکری جمود کے مخالف، اعتدال اور توسع کے خوگر تھے۔
اللہ تعالیٰ بشری لغزشوں کو درگزر فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔

بچھڑ کر بھی محبت کے زمانے یاد رہتے ہیں
اجڑ جاتی ہے محفل اور چہرے یاد رہتے ہیں

☆☆☆



شرک کی تعریف اور اقسام

شرک کی مختصر الفاظ میں جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ

”اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو حصہ دار بنایا جائے۔“

لیکن یہ تعریف اتنی مختصر ہے کہ اس کو پھر کئی عنوانوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً

ذات میں شرک، عبادات میں شرک، تعریف میں شرک، علم میں شرک، عادات میں شرک۔

لیکن اس کے بعد بھی شرک کے کئی ایسے گوشے باقی رہ جاتے ہیں جو ان عنوانات کے تحت نہیں آتے، حالانکہ وہ کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔

شرک کی ایک تعریف جو قرآن کے مفہوم کو بہت حد تک ادا کر دیتی ہے، یہ ہے کہ

”انسان اپنے کسی بھی طرح کے فائدے کے حصول یا تکلیف کے دفیعہ کیلئے اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو... خواہ وہ چیز جاندار ہو یا بے جان، حاضر ہو یا غائب، مردہ ہو یا زندہ... پکارے، اس کی طرف رجوع کرے اور اس سے توقعات وابستہ رکھے، جب کہ اس کے ظاہری اسباب معدوم ہوں۔“

1۔ کواکب پرستی اور مظاہر پرستی

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی مشہور اقسام میں سے مظاہر پرستی اور کواکب پرستی کا آغاز سب سے پہلے ہوا اور اس کی ابتدا عراق سے ہوئی۔ عراق میں اکثر مطلع صاف رہتا تھا۔ اکثر لوگ رات کو سیاروں کی چال اور حرکات کا مطالعہ کرتے اور اس میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے ہزارہا سال پیشتر یہ دریافت کر لیا تھا کہ سورج اور چاند کی طرح اور بھی بہت سے سیارے مشرق سے مغرب کی طرف مصروفِ سفر رہتے ہیں۔ پانچ مشہور سیارے یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری اور زحل جنہیں 'خمسہ متحیرہ' بھی کہتے ہیں، ان کے علم میں آ چکے تھے۔ وہ ان سیاروں کی چال سے رات کے اوقات کا صحیح صحیح تعین بھی کر لیتے تھے اور سمت کا تعین کرنے کے بھی قابل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ وہ ان اجرام کے بعض دیگر اثرات سے بھی واقف تھے مثلاً

سورج کی وجہ سے دن رات پیدا ہوتے اور چاروں موسم وجود میں آتے ہیں، جن سے طرح طرح کی فصلیں اور پھل پکتے ہیں۔ زندگی کے لئے روشنی اور حرارت نہایت ضروری ہے جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔ رات کو ہم چاند اور ستاروں سے روشنی حاصل کرتے، رات کا تعین کرتے اور رات کو دورانِ سفر سمت معلوم کرتے ہیں۔

نیز جن دنوں میں چاند زائد النور ہوتا ہے، پھلوں میں رس تیزی سے بڑھتا ہے اور جب ناقص النور ہوتا ہے تو یہ رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ یہ اثرات تو بالکل واضح تھے۔ لیکن انسان نے بعض توہمات کی بنا پر ان سیاروں کے انسان کی انفرادی زندگی پر بھی طرح طرح کے اثرات تسلیم کرنا شروع کر دیئے۔ وہ اپنی زندگی اور موت، مرض اور صحت، رزق کی وسعت اور تنگی اور ایسے ہی کئی دوسرے اُمور کو بھی سیاروں کی چال سے منسوب کرنے لگا۔ جس کا لازمی تصور یہ نکلا کہ انسان نے ان سیاروں کی تعظیم شروع کر دی اور ان کے لئے ازراہِ عجز و نیاز اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔

سیدنا ادریس علیہ السلام اور کواکب پرستی

ان توہمات اور گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی بذریعہ وحی رہنمائی فرمائی اور اسی دور میں سیدنا ادریس علیہ السلام (اصل نام اخنوخ 3500 ق م) کو مبعوث فرمایا۔ چونکہ یہ ابتدائے آفرینش کا دور تھا، لوگوں کے علم نے ابھی کچھ ترقی نہ کی تھی، لہٰذا سیدنا ادریس علیہ السلام کو بذریعہ وحی چند علوم سکھلائے گئے۔ چنانچہ کپڑا بننے اور کتابت کے موجد اور اُستادِ اول آپ ہی ہیں۔ آپ علم ہندسہ اور علم حساب کے بھی ماہر تھے۔ من جملہ دیگر علوم کے آپ کو علم نجوم کی پوری ماہیت، سیاروں کی گردش اور کشش وغیرہ کا علم بھی عطا کیا گیا تھا۔ ان علوم کے ساتھ ساتھ آپ فصاحت، علم لغت اور فن تقریر میں اتنے ماہر تھے کہ انہیں 'ہرمس * الہرامسہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے سیاروں کی اس قسم کی تاثیر سے متعلق لوگوں کے عقائدِ باطلہ کی پرزور تردید کی اور انہیں سمجھایا کہ یہ اجرام تو محض بنی نوع انسان کی خدمت پر مامور ہیں، انسان ان کا خادم نہیں ہے۔ اصل مقصودِ کائنات انسان ہے، نہ کہ اجرامِ فلکی۔ یہ اجرام فلکی تو انسانی زندگی سے بہت پہلے اپنے فرائض کی بجا آوری پر اس طرح مجبور اور بے بس تھے جس طرح آج ہیں۔ بھلا ان سیاروں کی حرکات کا انسان کے بگاڑ اور سنوار سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ گویا انسان کو اس کی عظمت ذہن نشین کرا کے ایسے حقیر توہمات سے نجات دلائی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ

جب سیدنا ادریس علیہ السلام کی رحلت کو کچھ عرصہ گزر گیا تو سیاروں کی گردش کے انسانی زندگی پر اثرات کے توہمات پھر انسانی ذہن میں راہ پانے لگے۔ اب کی بار انسان پر شیطان کا یہ حملہ پہلے سے شدید تر اور سہ گونہ تھا۔ ایک تو یہ کہ ان توہمات نے عراق کے علاوہ مصر، یونان اور ہندوستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دوسرے یہ کہ ان توہمات کو باقاعدہ ایک نظام کی شکل دے دی گئی۔ ہر سیارے کے لئے ایک الگ دیوتا God یعنی چھوٹا خدا تجویز ہوا جو بڑے خدا کا مددگار سمجھا جاتا تھا۔ پھر ان کی شکلیں تجویز کی گئیں اور ان کے مجسمے تیار کئے گئے جو گاڑے بھی جاسکتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی کئے جا سکتے تھے۔ خواہ یہ پتھر کے ہوں یا کسی دوسری دھات یا لکڑی کے اور تیسرے یہ کہ اب ان دیوتاؤں کے آگے صرف سر تسلیم ہی خم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے حضور چڑھاوے بھی چڑھائے جانے لگے اور قربانیاں بھی پیش کی جانے لگیں۔ جن کا خون ان دیوتاؤں کے مجسّموں یا بتوں پر مل دیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ اس طرح ان کے یہ دیوتا خوش ہوں گے اور ہمیں کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ ان بتوں کی اس ایذا رسانی کے عقیدے کو قرآن کریم نے درج ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾ (سورۃ ہود:54)

”(قوم ہود نے کہا: اے ہود!) ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بعثت

اس نجوم پرستی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی قدر جلیل القدر پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام (2000ق م) کو اسی علاقہ بابل میں مبعوث فرمایا۔ اس وقت عراق کا پایۂ تخت بابل اور نمرود حکمران تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس سلطنت کے سب سے بڑے شاہی پروہت، نجوم پرست اور بت تراش 'آزر' کے ہاں پیدا ہوئے۔ آزر کا اصلی نام تارخ تھا لیکن بت گری اور بت فروشی کی وجہ سے آزر مشہور ہو گیا تھا۔

ان دنوں مندروں میں سیاروں کے دیوتاؤں کے موہوم شکلوں کے مجسّمے رکھے جاتے۔ نیز ان کے علاوہ دیگر مظاہر قدرت مثلاً آگ، پانی، بادل وغیرہ کے دیوتاؤں کے مجسّمے بھی موجود تھے اور ان کے لئے ایسی تمام رسوم بجالائی جاتی تھیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بچپن ہی سے قوم کی اس نجوم پرستی اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ سیاروں کے ایسے اثرات تسلیم کرنے کے لئے آپ کی طبیعت قطعاً آمادہ نہ ہوتی تھی۔ آپ نے پہلے کسی ایک سیارے کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا۔ پھر چاند اور اس کے بعد سورج کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ اس مطالعہ نے آپ کو سیاروں کے اثرات سے بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ اجرام خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اپنے فرض کی ادائیگی میں مجبور و بے بس ہیں۔ ان کا اپنا ذرّہ بھر بھی اختیار نہیں ہے۔ آپ سوچتے تھے کہ بھلا ایسی مجبور و بے بس اشیا خدائی اختیارات کی حامل کیسے ہو سکتی ہیں اور میرا کیا بگاڑ یا سنوار سکتی ہیں۔ آپ کی طبیعت اس جستجو میں رہتی کہ ایسی ذات کا پتہ لگائیں جو ان اجرام فلکی کی اور خود ہماری بھی نگران اور مربی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور بذریعہ وحی اس اضطراب کو دور کر کے یقینی علم عطا فرمایا۔ بقول ارشادِ باری تعالیٰ

﴿وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ﴾ (سورۃ الانعام:75)

”اسی طرح ہم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کائنات کے عجائبات دکھلا دیئے تا کہ اسے یقینی علم حاصل ہو۔“

کواکب پرستی کے خلاف جہاد

چنانچہ آپ نے علی الاعلان نجوم پرستی اور ان عقائدِ باطلہ کی تردید اور مخالفت شروع کر دی۔ جس کے ردّ عمل کے طور پر باپ نے آپ کو گھر سے نکال دیا اور قوم نے ملک بدر کر دیا۔ مگر آپ جہاں کہیں بھی گئے، اپنا مشن اور توحید کا درس جاری رکھا۔ ہجرت کے علاوہ بھی آپ کو اس مشن کے نتیجہ کے طور پر ایک دفعہ بہت بھاری قیمت یعنی جان کی قربانی بھی ادا کرنا پڑی۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ آپ کی قوم میں ”انفرادی زندگی پر سیاروں کے اثرات کا عقیدہ“ راسخ ہو چکا تھا اور وہ ہر کام میں سیاروں کی چال ملاحظہ کر کے ان سے اچھے اور بُرے نتائج اخذ کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ ایک دفعہ قوم نے نوروز کے دن (جو اُن کے ہاں بڑا متبرک دن تھا جبکہ سورج برج حمل میں داخل ہوتا ہے) ان بتوں کے حضور نذر و نیاز پیش کرنے کے بعد ایک میلہ پر تفریحی تقریبات منانے کا پروگرام بنایا۔ یہ لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پیچھے نہ چھوڑنا چاہتے تھے، کیونکہ ان کی طرف سے انہیں کچھ 'خطرہ' بھی تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو ساتھ چلنے پر مجبور کیا تو آپ کو ایک عجیب ترکیب سوجھ گئی جو ان لوگوں کے عقیدے کے عین مطابق تھی۔ آپ نے فوراً سیاروں کی توجہ کی اور کہا کہ

”میں تو عنقریب بیمار ہونے والا ہوں۔“

تمہارے رنگ میں بھنگ پڑ جائے گا، لہٰذا مجھے جانے پر مجبور نہ کرو۔ آپ کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور وہ لوگ آپ کو پیچھے چھوڑ کر میلہ پر چلے گئے۔

بعد میں وہی ہوا جس کا انہیں خطرہ تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تبر (کلہاڑا) لے کر ان کے سب دیوتاؤں کو پاش پاش کر دیا۔ البتہ سب سے بڑے 'خدا' کو چھوڑ دیا اور تبر اس کے کندھے پر رکھ کر چلے گئے۔ تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ گویا اس بڑے خدا نے دوسرے سب چھوٹے خداؤں کا کام تمام کیا ہے اور یہ تمام خدا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ کارنامہ پوری قوم اور ان سب خداؤں کے لئے کھلا ہوا چیلنج تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کارنامہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی کا ہو سکتا ہے۔ انہیں برسرعام بلوایا گیا تو آپ نے برملا کہہ دیا کہ یہ سب ماجرا اس بڑے خدا سے پوچھ لو۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کہیں؟ آخر بولے:

"ابراہیم (علیہ السلام) یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ یہ خدا بولتے نہیں۔"

یہ جواب گویا قوم کی ذہنی شکست تھی۔ تاہم انہوں نے اپنے دیوتاؤں کی وکالت کی خاطر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس جرم کی پاداش میں آگ میں زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا اور ایک بڑا الاؤ تیار کر کے اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ لیکن اس اللہ نے، جس پر آپ ایمان رکھتے تھے، آپ کو زندہ و سلامت آگ سے نکال لیا۔ آپ کے آگ سے زندہ سلامت بچ نکلنے کا واقعہ قوم کے لئے دوسرا بڑا چیلنج تھا۔ لیکن ان کی بے بسی نے ان کو دوبارہ نگونسار کر دیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول و عمل سے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف جو تحریک چلائی تھی، وہ کامیاب رہی۔ بہت سے لوگ حقیقت کو پا گئے اور ایسے عقائد ایک طویل مدت کے لئے سرد پڑ گئے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام:

(950 ق م) آپ فلسطین و شام کے فرمانروا بھی تھے اور نبی بھی۔ آپ کی حکومت عقبہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان ایام میں یمن کے علاقہ سبا میں ایک عورت (جس کا نام بلقیس بیان کیا جاتا ہے) حکمرانی کرتی تھی۔ یہ ملکہ اور اس کی رعایا تمام کے تمام سورج پرست تھے۔ اس قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام عبدِ شمس (بندۂ آفتاب یا سورج کا پرستار) تھا اور لقب سبا تھا۔ بنی اسرائیل کی روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ہدہد سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر پہنچا تو ملکہ سبا سورج دیوتا کی پرستش کے لئے جا رہی تھی۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس مشرک قوم کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا، لیکن یہ ملکہ کی دانشمندی تھی کہ وہ خود ہی مطیع و منقاد (فرمانبردار) ہو کر سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ خود اور اس کی قوم سب اس مشرکانہ فعل سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔

مجوس: دورِ نبوی میں بھی ایک اور مستقل فرقہ یا مذہب کا وجود بھی ملتا ہے جو خود کو اپنے آپ کو 'زرتشت' کہتے ہیں، لیکن قرآن نے انہیں 'مجوس' کے لفظ سے پکارا ہے۔ یہ فرقہ ایران و عراق کے علاقہ سے تعلق رکھتا تھا اور یہ لوگ اپنے آپ کو سیدنا نوح علیہ السلام کا مرید بتلاتے ہیں اور نوح کے علاوہ دیگر انبیا کے دشمن ہیں۔ اس فرقہ کے رہنما مانی اور متروک تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ ایک نور یا روشنی کا خدا جسے وہ 'یزدان' کہتے تھے اور نیکی اور بھلائی کے تمام امور و افعال اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ دوسرا تاریکی یا ظلمت کا خدا جسے وہ 'اہرمن' کہتے تھے اور برائی کے تمام امور و افعال اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کی الہامی کتابوں کا نام 'زند' اور 'اوستا' ہے۔ یہ لوگ سورج اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ آگ کے بڑے بڑے الاؤ تیار کرتے اور اسے بجھنے نہیں دیتے تھے۔

ان زرتشتیوں کے ایک ضمنی فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ یزدان اور اہرمن دونوں خدا ہم مرتبہ ہیں لیکن یہ دونوں ایک الٰہ اعلیٰ کے ماتحت ہیں جس نے سب سے پہلے انہیں پیدا کیا۔

دورِ فاروقی میں جب یہ علاقہ اسلام کے زیر نگین آ گیا تو اس مذہب کا زور ختم ہو گیا لیکن کچھ نہ کچھ اثرات باقی چھوڑ گیا۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے دور میں شیعہ مذہب کے چند غالی فرقے ایسے عقائد کا شکار ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں مغل بادشاہ 'اکبر' جس نے دین الٰہی رائج کیا، پکا سورج پرست تھا جو دن میں چار دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا۔ اکبر ہندو عقائد کو اکب پرستی سے سخت متاثر تھا، کیونکہ اس نے کئی ہندو عورتوں سے شادی کی تھی۔

نجوم پرستی کا نیا دور

لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ایسے عقائد نے پھر سے راہ پائی بلکہ شیطان نے اس مشرکانہ نظام کو منظم کرنے کے نئے گوشے بھی تلاش کر لئے۔ نجوم پرستی یا علم جوتش کا علم نجوم، علم ہیئت سے گہرا تعلق ہے۔ 590 ق م میں یونان کے ایک حکیم فیثاغورث نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے اور زمین ساکن نہیں بلکہ کئی سیاروں سمیت سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ لیکن اس کے دو صدی بعد یعنی چوتھی صدی ق م میں بطلیموس فلاسفر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین ساکن اور سورج متحرک ہے۔ اس نظام میں زمین کو صرف ساکن ہی نہیں بلکہ جملہ سیارگان کا مرکزِ عام قرار دیا گیا ہے۔ اس نظام میں 13 کرے مقرر کئے گئے ہیں۔

پہلا کرہ آب جو زمین کے 3/4 حصہ کو محیط ہے۔ **دوسرا کرہ** ہوا۔ **تیسرا** فضا کا اور **چوتھا** حرارت کا کرہ ہے۔ اس کے بعد 9 فلک آتے ہیں۔

پہلے فلک پر چاند، دوسرے پر عطارد، تیسرے پر زہرہ، چوتھے پر سورج، پانچویں پر مریخ، چھٹے پر مشتری اور ساتویں پر زحل ہے۔ آٹھویں فلک کو فلکِ ثوابت اور فلک البروج بھی کہتے ہیں۔

اسی فلک کو 12 حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو ایک برج قرار دیا گیا ہے اور فلک نہم کو فلکِ اطلس کہتے ہیں۔ اس نظام کی رو سے آٹھوں افلاک اور ساتوں سیارے، اگرچہ اپنی الگ الگ حرکت بھی رکھتے ہیں تاہم فلکِ نہم کی حرکتِ وضعی سے وابستہ ہیں اور ساتوں سیاروں کی حرکت سالانہ ہر ایک فلکِ خاص کی حرکت سے تعلق رکھتی ہے۔

بطلیموس کا یہ نظریہ جو اس نے اپنے استادوں اور پیشرؤوں ارسطو اور برخس کی مدد سے مرتب کیا تھا، چار دانگ عالم میں بہت مقبول ہوا۔ مصر، یونان، ہند وغیرہ سب ممالک میں اس نظریہ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ یورپ میں 1500ء تک اسی نظریہ کی تعلیم دی جاتی رہی ہے اور ہندوستان میں آج تک جنتریاں وغیرہ اسی نظام کے مطابق مرتب ہوتی ہیں۔

☆☆☆



پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ وہی بلند وبالا ہے۔ اسی نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان کی بہترین شکلیں بنائیں۔ اسی نے تقدیر بنائی اور پھر راہ دکھائی۔ جس نے پودے اگائے، پھر انہیں سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ میں اس بلند ہستی کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں اور اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اسی سے معافی مانگتا ہوں۔ اسی نے اپنی علم کی بنیاد پر مخلوقات کو پیدا کیا۔ ان کی تقدیریں بنائیں، ان کی عمریں طے کیں۔ اب نہ ان کی عمریں وقت سے پہلے ختم ہو سکتی ہیں اور نہ ایک گھڑی کی مہلت ہی مل سکتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ ہی امام المتقین، روشن پیشانیوں اور چمکتے اطراف والوں کے قائد ہیں۔ ساری اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ اللہ نے آپ کو سارے انسانوں اور جنوں کے لیے بشارت دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ تو اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر۔ صحابہ کرام پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر بہت سلامتی بھی نازل ہوتی رہے!

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! اس کے احکام بجالاؤ۔ اس کی نافرمانی سے بچو۔ اس کی مضبوط رسی کو تھامے رکھو کہ جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورۃ البقرہ:256)

”اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔“

اے مسلمانو! دین اسلام میں ایک قابل تعریف خصوصیت ہے، جو لوگوں کو صاف نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دین ہر طرح سے واضح دین ہے۔ اس کا عقیدہ بھی، اس کی شریعت بھی اور اس کے احکام بھی۔ یہ ایک آسان اور نرم دین ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اس کے ماننے والوں کو اسے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ یہ پیچیدگی، تعجب آمیز چیزوں اور پہیلیوں سے پاک ہے۔ اس کا عقیدہ بھی واضح ہے۔ اس کی عبادات بھی واضح ہیں، اس کا تصورِ اجر وثواب بھی واضح ہے اور تصورِ سزا بھی بالکل واضح ہے۔ جی ہاں! اس کے احکام اتنے واضح ہیں کہ ان میں کسی ابہام کی جگہ ہی نہیں۔ یہ ہر طرح کی جہالت کو ختم کر دینے والا دین ہے۔ یہ ہے اسلام کی شاندار شریعت۔ واضح اور صاف شریعت۔ جس کے اصول وفروع بھی واضح ہیں، ذرائع اور مقاصد بھی واضح ہیں اور اصول وقواعد بھی واضح ہیں۔ اس دین کو لانے والے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

«تركتُكم على البيضاء، ليلُها كنهارها، لا يَزيغ عنها بَعدِي إلا هالك»

”میں نے تمہیں واضح اور صاف دین پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی دن کی طرح واضح ہے، میرے بعد جو کوئی اس سے انحراف کرے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔“

آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے:

«والذي نفسي بيده لقد جئتُكم بها بيضاءَ نقية»

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے تمہیں بالکل صاف اور واضح شریعت پہنچائی ہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے:

«إن الحلال بيّن والحرام بيّن»

”حلال بھی واضح ہے اور حرام واضح ہے“

یعنی یہ دین ہر طرح سے واضح ہے۔ اس میں کسی چیز کے چھپے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں کسی ابہام کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ایسا ہو بھی کیوں ناں؟! جبکہ اسے لانے والے رسول صاف گو، دو ٹوک اور سچی بات کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو سے پہلے آپ کے چہرہ مبارک پر ہی سچائی کے اثرات واضح نظر آتے تھے۔ الفاظ سے پہلے کردار میں شفافیت نظر آتی تھی۔ سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لو لم تكن فيه آياتٌ مبيّنةٌ
كانت بديهتُه تُنبيك بالخبرِ

”اگر آپ ﷺ کی سچائی کی واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں، تو آپ ﷺ کے بے ساختہ الفاظ ہی خیر کا پیغام دینے کے لیے کافی ہوتے۔“

یعنی آپ ﷺ انتہائی صاف گو، سچے اور بہترین شکل وصورت والے تھے، جن کا ظاہر دیکھتے ہی باطن کی نیکی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ پھر بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک رات آپ ﷺ اپنی اعتکاف

گاہ سے نکلے، تاکہ اپنی بیوی صفیہ کو اپنے گھر تک چھوڑ آئیں۔ اتنے میں وہاں سے دو انصاری گزرے، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو جلدی جلدی چلنے لگے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا:

«على رِسْلِكُما؛ إنَّها صفيةُ بنتُ حُيَيّ»

"آرام سے جاؤ۔ یہ صفیہ بنت حیی ہی ہے۔"

وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: «إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم، وإني خشيتُ أن يقذف في قلوبكما شرًّا»

"شیطان ابن آدم کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بری بات نہ ڈال دے۔"

اللہ کے بندو! اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کتنے صاف گو تھے، کیونکہ آپ ﷺ بروقت حقیقت بیان کر دی، تاکہ بدگمانی کا راستہ روک دیں، اور شکوک وشبہات کا دروازہ بند کر دیں۔

امام ابو داود اور امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کچھ صحابہ سے چاہتے تھے کہ وہ بیعت کے لیے آنے والے کسی شخص سے کوئی بات کریں، لیکن انہیں اندازہ نہ ہوا کہ آپ ﷺ کیا چاہتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے، تو آپ نے ہمیں آنکھوں سے اشارہ کیوں نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إنَّه لا ينبغي لنبيٍّ أن تكون له خائنةُ الأعين»

"کسی نبی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی آنکھیں خیانت کریں"

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أي أن النبي -صلى الله عليه وسلم- لا يُخالِف ظاهرُه باطنَه، ولا سِرُّه علانيتَه، وإذا نفَّذ حكمَ الله وأمرَه، لم يُومِ به، بل صرَّح به وأعلَنَه وأظهَرَه."

"یعنی کہ نبی کے ظاہر وباطن میں تضاد نہیں ہونا چاہیے، جو وہ ظاہر کرتا ہے اور جو چھپاتا ہے، ان میں فرق نہیں ہونا چاہیے۔ جب اللہ کے حکم یا فرمان کو نافذ کرنا ہو، تو ابہام کے ساتھ نہیں، بلکہ وضاحت کے ساتھ علی الاعلان اسے ظاہر کرنا چاہیے۔"

اللہ کے بندو! صاف گوئی سے چہرے پر رونق آتی ہے، گفتار میں خوبصورتی آتی ہے، دل میں پاکیزگی آتی ہے، اختلاف میں بھی وقار آتا ہے اور بات میں سچائی آتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ صاف گوئی اختیار کرنا ایسی ٹھوس بنیاد ہے، جس کے بغیر انسان کے قدم جم ہی نہیں سکتے اور جس کے بغیر لوگوں کا بھروسہ کمایا ہی نہیں جا سکتا۔ صاف گوئی اپنانے والے کو اپنی دوٹوک گفتگو کی وجہ سے بے وقوفوں کا ڈر نہیں رہتا، بلکہ وہ عقل ودانش والوں کی پسندیدگی کما لیتا ہے اور اہمیت تو اہلِ دانش ہی کی ہوتی ہے، چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہوں، اہلِ غفلت کی آرا کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، چاہے وہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ کے بندو! صاف گوئی میں بے تکلفی پائی جاتی ہے، بناوٹ اور تکلف سے دوری ہوتی ہے۔ صاف گوئی سے انسان ایک کھلی کتاب بن جاتا ہے، جسے جو چاہے پڑھ لے، ایک کھلا دروازہ بن جاتا ہے، جس میں ہر بندہ اپنی عقل اور سمجھ کے ساتھ گھس سکتا ہے۔ یہ بد اعتمادی، دوغلہ پن اور تعلقات کی خرابی کو ختم کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! صاف گوئی ابہام کی دشمن ہے، اس میں الفاظ ذو معنی نہیں ہوتے۔ اس لیے فضولیات کے پیچھے بھاگنے والوں کو پر اسرار شخصیت کی گہرائیوں کی کھوج لگانے، اس کے اسرار ورموز حل کرنے اور اس کے ساتھ تعامل میں توڑ موڑ کا موقع نہیں ملتا۔ صاف گو آدمی کے ساتھ رہنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر باطن کی ضد نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ اس کی بات آسانی سے سمجھ جاتے ہیں اور اس سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ وہ نرم طبیعت کا ہوتا ہے۔ اس میں ایسی صفات نہیں ہوتیں، جو اسے لوگوں سے دور کر دیں یا ان کی قربت کے آڑے آئیں۔ صاف گو آدمی کو اپنا آپ بھی نظر آتا ہے اور لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں، جبکہ پُر اسرار اور مبہم شخص کو صرف اپنا آپ ہی دکھائی دیتا ہے، اس لیے وہ اپنی زندگی میں اپنی ذاتی پسند کے مطابق ہی چلتا ہے، ہر کام میں خود نمائی کو پسند کرتا ہے، اکثر ایسی چیزوں کو بھی دشمنی کی نگاہ سے دیکھتا ہے جنہیں رضامندی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، یا ایسی چیزوں کو رضامندی کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جنہیں دشمنی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

صاف گو شخص کو لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لیے کسی جعلی چہرے کے ضرورت نہیں ہوتی۔ ان سے مصافحہ کرنے کے لیے دستانوں کی حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ صاف گو شخص کا ایک ہی چہرہ ہوتا ہے، ایک ہی دل، ایک ہی اصول اور ایک ہی اخلاق۔ صاف گوئی کی بنیاد پر ہی وہ لوگوں کے ساتھ اپنے تعلق کو برقرار رکھتا ہے چاہے کسی معاملے میں ان کے ساتھ اختلاف بھی کیوں نہ ہو، کیونکہ صاف گوئی سے شکوک وشبہات اور بدگمانی کے تمام تر راستے بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر صاف گوئی کی جگہ ابہام اور ذو معنی الفاظ ہوں، تو لوگوں کے تعلق ٹوٹ جاتے ہیں، کیونکہ ان میں صراحت اور وضاحت کی کمی ہوتی ہے اور لوگ پر اسرار لوگوں سے فطری طور پر دور رہنا پسند کرتے ہیں، جس کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں ہو پائے کہ وہ خوش ہے یا ناراض، کسی کام کو خوشدلی سے کر رہا ہے یا بادل نخواستہ، وہ شکر گزار ہے یا ناشکرا، فرمان بردار ہے یا متکبر؟! لوگ اس سے اسی لیے ڈرتے اور دور بھاگتے ہیں کہ اس کی شخصیت میں غموض کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ صاف گوئی لوگوں کے ساتھ تعلق کی درستی کی علامت ہوتی ہے، تعلقات کے بگاڑ کی نہیں، اس سے لوگوں کی نظریں انسان کی طرف پھرتی ہے، اس سے دور نہیں ہوتیں،

کیونکہ ابہام ایک ایسی گندگی ہے جو دوسروں کے جذبات سے کھیلنے کا کام کرتی ہے اور لوگوں کے جذبات سے کھیلنا بذات خود ایک سنگین برائی ہے۔ اللہ ہمیں آپ کو اس کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی باتوں میں صاف گوئی کو اختیار کرے، تاکہ اس کی بات واضح ہو، اس کا مفہوم بھی سب کے لیے عیاں ہو، یوں کوئی اس کی بات کی کوئی غلط تشریح نہیں کر سکے گا، کیونکہ لوگوں کی سمجھیں مختلف ہوتی ہیں اور الفاظ محتمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو اپنے کاموں میں سچائی اور وضاحت سے کام لینا چاہیے، کیونکہ یہ بھی ایک بڑا مقام اور اعلیٰ مرتبہ ہے۔ پوری کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں کے پاس سے آتے وقت بھی اس کی وہی حالت ہو جو جاتے وقت تھی، ان کی موجودگی میں بھی انسان ویسا ہی ہو جیسا ان کی غیر موجودگی میں ہوتا ہے۔ قول وعمل اور خلوت وجلوت کی یکسانیت ہی سچے مسلمان کا شعار ہوتا ہے، جس سے اس کے مظہر اور گفتگو میں تناقض نہیں رہتا۔

ولا تَكُ ذَا باطلٍ في الورى
يُخالِف في طبعه مظهرَكْ
وصَاحِبْ نصوحًا تُسَرُّ به
ففيه الوضوحُ إذا بصَّرَكْ

"اس زندگی میں باطل پرست نہ بننا، نہ اپنے مظہر کو اپنی طبیعت کے خلاف بنانا، ہمیشہ خلوص والے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا، جو نصیحت کریں تو صاف گوئی سے کام لیں۔"

اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ صاف گوئی انسان کی مستقل طبیعت اور ہمیشہ کی عادت ہونی چاہیے، یہ کوئی عارضی صفت بن کر نہ جائے۔ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ صاف گوئی کو اپنانے میں پہل نہ کی جائے، بلکہ مزاج داری اور ابہام کی بنیاد پر لڑائیوں اور جھگڑوں کے رونما ہونے کے بعد ہی اس کا رخ کیا جائے۔ ایسی صاف گوئی کو صاف گوئی نہیں، بلکہ طعنہ زنی کہنا زیادہ موزوں ہو گا، کیونکہ ان دونوں میں فرق تو اس شخص کے لیے بڑا واضح ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اچھے اقوال وافعال کی ہدایت عطا فرمائی ہو، کیونکہ اس کے سوا ان کی راہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔

تو اے مسلمان! ویسا ہی رہنے کی کوشش کر جیسا تو ہے۔ تمہیں پہچاننے کا راستہ مختصر ہونا چاہیے، طویل نہیں، ایسا آسان ہونا چاہیے، جو لوگوں کو تم سے متعارف کرا دے، ایسا مشکل نہیں ہونا چاہیے جو لوگوں کو تم تک پہنچنے ہی نہ دے۔ صاف گوئی اپناؤ، روادار بنو، نرم اور لچک دار بنو۔ لوگوں کے لیے اپنے دل میں کھلی جگہ بناؤ، تنگ دل نہ بنو۔ اپنی شخصیت کے بارے میں مختلف تاویلیں اور تشریح کرنے کی گنجائش ہی نہ چھوڑو۔ لوگوں کے درمیان اجنبی نہ بنو۔ ایسا رویہ نہ اپناؤ کہ لوگ تم سے ڈریں یا محتاط رہیں۔ یاد رکھو کہ ابہام لوگوں کو دور کرتا ہے، قریب نہیں کرتا، انہیں متنفر کرتا، محبت پیدا نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ جو لوگ ابہام کی تلقین کرتے ہیں یا بناوٹی طریقے سے اسے اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ حقیقت میں لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی سوچ زیادہ گہری اور بہتر ہے۔ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں گمان کے سمندر میں ڈوب رہے ہیں، مگر وہ صاف گوئی اور صراحت اپنا کر ان کی طرف حفاظتی رسی نہیں پھینکتے، جس سے وہ خود کو جھوٹے گمانوں اور پر تکلف تاویلوں اور تشریحوں سے بچا لیں۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یہ بھی یاد رکھو کہ صاف گوئی اور بے وقوفی میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح ابہام اور راز داری میں بھی بہت واضح اختلاف ہے۔ صاف گوئی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ انتا بے وقوف ہو کہ کسی بات کو چھپائے ہی نہ، یا اس کا کوئی راز ہی نہ ہو، یا مصلحت کی بنیاد پر بھی کسی بات کو مخفی ہی نہ رکھے۔ اسی طرح ابہام ہی احتیاط نہیں ہے۔ نہ ابہام یہ ہے کہ ظاہر سی باتوں کو بھی چھپایا جائے، یا اچھی باتوں سے رکا جائے، یا واضح تعامل کو اختیار نہ کیا جائے۔ اسی طرح، اے مسلمان! میانہ روی کے بہترین اصول کو کبھی نہ چھوڑنا، تاکہ تمہاری صاف گوئی بھولے پن کی حد تک نہ پہنچ جائے اور تم لوگوں کو اذیت نہ دینے لگو، یا چیزوں کو چھپانا ابہام کی حد تک پہنچ جائے اور لوگ تم سے متنفر ہونے لگیں۔ سمجھدار اور دانشمند وہ ہے جو ان دونوں انتہاؤں میں سے درمیانی راہ اختیار کریں۔

كُنْ واضحًا إِنْ رُمتَ عِزًّا شَامِخًا
إِنَّ الْوُضُوحَ مِنَ اللَّبِيبِ لَتَاجُ
بِئسَ الغموضُ ففيه سوءُ مَظِنَّةٍ
ومَسِيرُهُ بالغامضينَ خِدَاجُ

"اگر عزت وبرتری کے طالب ہو، تو صاف گوئی اختیار کرو، کیونکہ صاف گوئی سمجھدار انسان کا تاج ہوتی ہے۔ ابہام بہت بری چیز ہے، اس سے بدگمانی کا راستہ بھی کھلتا ہے اور اسے اپنانے والوں کا معاملہ فریب پر مبنی ہوتا ہے۔"

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقینًا! میرا رب معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کی خوشنودی کی طرف بلانے والے نبی مصطفیٰ ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ انسان کو ان نتائج کو ہلکا نہیں سمجھنا چاہیے جو صاف گوئی کے فقدان کی وجہ سے خاندان، معاشرہ، تعلیم، کام کاج اور اداروں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے صاف گوئی کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک ملکی سطح کے انتظامی امور کی بات ہے، تو ان میں تو صاف گوئی اور وضاحت زیادہ ضروری ہے، کیونکہ ان میں وضاحت ہونے اور نہ ہونے کے بہت سے مثبت اور منفی اثرات ہیں۔ اس

لیے حکومتی سطح کے ذمہ داران اللہ کے ہاں بھی جواب دہ ہیں اور حکمران کے سامنے بھی، جس نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ دورِ جدید میں ادارتی نگرانی کی بات بار بار اسی لیے کی جاتی ہے کہ انتظامی امور، مالی معاملات اور پیداوار کو درست کیا جا سکے، تاکہ عوام کی فلاح وبہبود ممکن ہو، شفافیت یقینی بنے اور کرپشن کا دروازہ بند ہو۔ اگر ادارتی نگرانی میں تین اصول نہ ہوں تو اس کا کوئی مقصد نہیں رہتا، ایک فرمان برداری اور حکمران کے احکام کی تعمیل، جس سے لوگوں کی ضرورتوں کی تکمیل یقینی بنتی ہے، دوسرا مالی حفاظت، جس سے حکومتی اور عوامی املاک کو تخریب کاری سے بچایا جاتا ہے، اور تیسرا شفافیت اور وضاحت، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کام سے متعلقہ تمام لوگوں کو اس میں حصہ ڈالنے کا موقع دیتے ہوئے مکمل وضاحت اور حق گوئی سے کام لیا جائے، تاکہ ہر کام بصورت اکمل پورا ہو سکے۔ یہ اصول بھی کوئی نئے نہیں ہیں، بلکہ اسلام نے ان میں ہر ایک پر زور دیا ہے، لیکن جب یہ چیزیں ذمہ داروں کی نگاہوں سے اوجھل ہوں، تو پھر معاشرے کو سخت تکلیف دہ چوٹ لگتی ہے اور امانت کی ادائیگی میں سخت قسم کی کوتاہی ہوتی ہے۔

اللہ کے بندو! یہ بھی یاد رکھو کہ مالی اور ادارتی وضاحت اور شفافیت بھی کم اہم نہیں ہے، خاص طور پر جب معاملہ خیراتی، سماجی، رضاکارانہ اور خدمت خلق کے کاموں سے متعلقہ ہو، کیونکہ یہ کام براہ راست دین، ثقافت اور معاشرے سے جڑے ہوتے ہیں اور اگر انہیں کسی ادارے یا قانون کے زیر نگرانی نہ رکھا جائے تو بہت سے ذمہ داران صاف گوئی اور وضاحت کے معاملے میں تساہل کا شکار ہو سکتے ہیں، اور جب ایسے معاملے میں تساہل آ جائے تو پھر مسلمانوں کے خیرات اور صدقات کے اموال کے حوالے سے پُر تکلف قسم کی تاویلیں سامنے آنے لگتی ہیں۔ اس لیے اگر کوئی کمیٹی یا ادارہ خیراتی ہے یا رضاکارانہ طور پر کام کر رہا ہے، تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس سے ادارتی امور، ذرائع آمدن اور اخراجات کے حوالے سے صاف گوئی اور وضاحت کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، یا اسے احتساب اور تنقید سے بالاتر سمجھا جائے گا، کیونکہ اس کے ذمہ داران ان لوگوں کے اموال میں تصرف کے جواب دہ ہیں جنہوں نے اپنے مال ان کے سپرد کیے ہیں۔ اس لیے یہ غلطی انتہائی سنگین ہو گی کہ جذبات میں آ کر امانت داری اور وضاحت کو نظر انداز کر دیا جائے، یا متابعت اور سوال سے پہلو تہی کر لی جائے۔ دیکھو تو سہی، وقتاً فوقتاً ہمیں کتنے فراڈ اور دھوکہ بازی کے واقعات سننے کو ملتے ہیں، جن میں کبھی خیراتی کاموں کا سہارا لیا جاتا ہے اور کبھی رضاکاری کا، یوں لوگوں کے مال ہڑپ کیے جاتے ہیں اور ان کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ جب خیراتی جذبے کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو لوگ بڑی آسانی سے دھوکے میں آ جاتے ہیں، کیونکہ اس میں دینی جذبہ بھی شامل ہوتا ہے، جو کہ جذبات کو ابھارنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے:

"مَنْ خَدَعَنَا بِاللهِ انْخَدَعْنَا له."

"جو اللہ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیتا ہے، ہم اس کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔"

مزید یہ کہ ہماری گفتگو کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ سب کے سب خیراتی ادارے لازمی دھوکہ اور فریب ہی کر رہے ہیں۔ نہیں! بہت سے خیراتی، رضاکار ادارے بڑے نظم وضبط، اتقان اور امانت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ جن کے بہت سے قابل تحسین کام ہیں۔ ہماری بات چند انفرادی یا اجتماعی کاموں کے حوالے سے ہے، جن کے ذمہ داران صاف گوئی اور قابلِ اعتبار وضاحت سے کام نہیں لیتے، یا جن میں نگرانی اور احتساب کا کوئی تصور نہیں، یا جو صدقات اور زکوٰۃ دینے والوں کو تسلی بخش حساب کتاب دینے میں ناکام رہتے ہیں۔

ایسے کاموں کے نگرانوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ لوگوں نے نیکی کے جذبے میں آ کر اپنے مال ان کے سپرد کیے ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ کھیلنا یا ان میں کوتاہی کرنا، یا غلط قسم کی تاویلیں یا بہانے بنا کر انہیں اپنے لیے جائز کر لینا، یا غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنا انہیں اللہ کے یہاں یا لوگوں کے ہاں بری نہیں کر سکتا، بلکہ ان کی یہی تاویلیں اور یہی اموال دنیا وآخرت میں ان کے لیے وبال بن جائیں گے اور خالق کے ہاں ان کا حساب بڑا سخت ہو گا۔

﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (سورۃ الکہف:49)

"اور تیرا رب کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔"

اے اللہ! رحمتیں نازل فرما، محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اہل بیت پر، جس طرح تو نے ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائی تھیں۔ اور آل ابراہیم پر تمام جہانوں میں تو سب سے زیادہ قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔

اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، تابعین عظام سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اپنی کرم نوازی اور احسان سے اور خصوصی معافی دے کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!

اے اللہ! جو ہمارے یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی چال چلے تو اسے خود ہی میں مصروف کر دے۔ اس کی چال اسی پر لوٹا دے۔ اے دعا سننے والے!

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورۃ البقرہ:201)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی! اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا!"

اللہ کے بندو! اللہ عظیم وجلیل کو یاد کرو، وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، وہ تمہیں مزید عطا فرمائے گا۔ اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے۔ اور اللہ آپ کے اعمال سے باخبر ہے۔

☆☆☆



مہندی رنگے ہاتھوں کی تصویر کا حکم

سوال: میں یونیورسٹی کی ایک طالبہ ہوں۔ میں نے مہندی سے متعلق ایک کاروبار شروع کیا ہے۔ جس میں ہاتھوں پر مہندی لگا کر اس کی تصویر بنائی جاتی ہے اور پھر کاروباری نقطۂ نظر سے اس کی تشہیر کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تصویر ہر کس و ناکس دیکھے گا، میں نے اپنی اور چند دوسری خواتین کے ہاتھوں کی تصویر اپنے انسٹاگرام کے صفحے پر ڈالیں تھیں، لیکن صرف ہاتھوں کی، کلائی اور بازو بالکل ڈھکے ہوئے تھے، پھر اس خیال سے کہ نامحرم مرد اسے دیکھیں گے، میں نے ان تصاویر کو اتار دیا۔

میں نے اس موضوع پر تھوڑی بہت تحقیق بھی کی ہے، وہ حدیث بھی علم میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ دیکھا کہ جس پر مہندی نہ تھی تو آپ نے اسے اچھانا جانا کہ اگر مہندی نہ ہو تو کیسے معلوم ہو کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟

پھر معلوم ہوا کہ بعض علماء کے نزدیک یہ ایک ضعیف حدیث ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ زینت کو صرف محرم ہی دیکھ سکتے ہیں۔

لیکن اس کے مقابلے میں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ مساجد و مراکز میں ایسے پروگرام بھی ہوتے رہتے ہیں جس میں خواتین مہندی لگواتی ہیں تو کیا میں اس کام کو اس نیت کے ساتھ نہیں کر سکتی کہ میرا مقصد غیر محرم افراد کو راغب کرنا نہیں ہے، میں تو صرف اپنے کاروبار کو فروغ دینا چاہتی ہوں، یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک مسلمان عورت جو شرع کی پابند نہیں ہے، یعنی اس کا لباس شریعت کے تقاضے پورا نہیں کرتا اور وہ یہ چاہتی ہے کہ یہ مہندی اس کے بازو تک لگائی جائے تو کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟ یا اگر ایک عورت اس مقصد کے لیے مہندی لگوانا چاہتی ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کو راغب کر سکے؟ میں ان تمام باتوں کا جواب چاہتی ہوں۔

جواب: اس سوال کے جواب سے قبل چند تمہیدی باتیں گوش گذار ہیں:

نسوانی ہاتھ پر مہندی کے نقش و نگار زینت میں آتے ہیں۔ مطالعہ قرآن سے زینت کا یہ مفہوم علم میں آتا ہے۔

زینت ایک خارجی چیز ہے جو اپنے اصل کے ساتھ ہی نمایاں ہوتی ہے، جیسے ایک سادہ کاغذ پر نقش و نگار بنا دیے جائیں تو وہ کاغذ ایک خوبصورت نقش کی طرح نظر آئے گا۔ ایک سادہ کپڑا رنگے جانے کے بعد زیادہ جاذب نظر دکھائی دے گا، اللہ تعالی نے زمین کے بارے میں کہا:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا﴾

''ہم نے جو کچھ زمین کے اوپر ہے، اسے اس کے لیے زینت بنا دیا۔''(سورۃ الکہف:7)

بارش کے بعد جب زمین لہلہا اٹھتی ہے تو اسے "وازینت" سے تعبیر کیا کہ وہ اپنی آرائش کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر روانہ ہو گئے اور ان کی واپسی میں تاخیر ہو گئی تو سامری کے بہلانے پھسلانے کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے زیورات کو پگھلا کر ایک بچھڑا بنایا اور پھر اس سونے کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی گئی۔

اور پھر جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور انہوں نے اپنے غم و غصے کا اظہار کیا تو وہ اپنی صفائی میں کہتے ہیں:

﴿وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا﴾(سورۃ طٰہ:87)

''لیکن ہم سے تو قوم کی زینت (یعنی زیورات) کا بوجھ اٹھوایا گیا کہ جسے ہم نے لا پھینکا۔''

مسجد جاتے وقت نمازیوں کے لیے حکم ہوا:

﴿ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (سورۃ الاعراف:31)

''اے بنی آدم، ہر سجود کے موقع پر اپنی زینت لے لیا کرو۔''

یہاں جاہلیت کے اس عمل کی مذمت مقصود ہے کہ عرب قبل از اسلام طواف کے لیے اپنے ستر سے بھی غافل ہو جایا کرتے تھے تو انہیں لباس پہننے کی تاکید کی گئی۔ قارون جب اپنی پوری آرائش کے ساتھ باہر نکلا تو اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ﴾

''تو وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ کے ساتھ نکلا۔''(سورۃ القصص:79)

زینت کے اس مفہوم کو سمجھ لینے کے بعد دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک ظاہری زینت ہے اور ایک باطنی زینت ہے کہ جس کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔

سورۃ النور کی دو آیتیں ملاحظہ ہوں:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾(سورۃ النور:31)

"اور وہ اپنے پیروں کو (زمین پر) اس طرح نہ ماریں کہ وہ زینت جسے وہ چھپا کر رکھ رہی ہیں، (لوگوں کو) اس کا علم ہو جائے۔

مراد ہے کہ پازیب وغیرہ کہ اگر وہ پیروں کو زمین پر زور زور ماریں گی تو ان کے کھنکھنانے کی آواز آئے گی اور آس پاس چلنے والوں کو ان کی اس زینت کا علم ہو گا۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ (سورۃ النور:60)

"اور وہ (بوڑھی عورتیں) جو گھروں میں بیٹھ رہتی ہیں اور جن کے (دوبارہ) نکاح کی توقع نہیں ہے تو انہیں گناہ نہ ہو گا کہ وہ اپنے (غیر ضروری) کپڑے اتار دیں (لیکن اس شرط کے ساتھ کہ) وہ اپنی آرائش وزیبائش کی نمائش نہیں کریں گی اور اگر وہ (اس سہولت سے بھی) باز رہیں تو وہ ان کے لیے بہتر ہے۔"

مراد ہے کہ اگر مرد حضرات ملنے آئیں اور وہ اوڑھنی نہ بھی استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ زیورات سے لدی پھندی ہوں تو پھر وہ ان کی نمائش نہیں کریں گی۔

اب ہم سورۃ النور کی آیت 31 کی طرف آتے ہیں، فرمایا:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (سورۃ النور:31)

"اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔"

یہاں عنوان بحث یہ ہو گا کہ آیا ایک خاتون کو اپنا سارا جسم چھپانا چاہیے یا جسم کے کچھ حصے کھولنے کی اجازت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دو آراء منقول ہیں اور ان ہی کی روشنی میں ہم مذکورہ سوال کا جواب دے سکیں گے۔

پہلی رائے یہ ہے کہ ایک عورت کو نامحرم مردوں کے ساتھ سارا جسم چھپانا چاہیے، اگر وہ گھر سے باہر جائے تو نقاب سے اپنے چہرے کو اور دستانوں سے اپنے ہاتھوں کو بھی چھپائے۔

لیکن نقاب اور جلباب (چادر) کے ساتھ جب وہ باہر آئے گی تو اس کا یہ لباس جو کہ زینت میں شامل ہے وہ تو بہر صورت نظر آئے گا۔ تو یہاں اسی کا استثناء کیا جا رہا ہے۔ یہ رائے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے امام حسن بصری، امام ابن سیرین، امام ابن الجوزاء اور امام ابراہیم النخعی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ چند احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچی جب بالغ ہو جائے تو اسے سارے جسم کو چھپانا چاہیے سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے اور چونکہ جب چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوں گے تو چہرے کی زیبائش جیسے آنکھوں میں کاجل، کانوں کے چھلے، ہاتھ پر مہندی اور انگلی کی انگوٹھی کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے، اس لیے ﴿ما ظهر منها﴾ کے مطابق مذکورہ چیزوں کا ظاہر کرنا جائز ہو گا۔

دونوں آراء کے اپنے اپنے دلائل ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، ہمارے استاد شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ دوسری رائے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلی رائے افضل ہے، یعنی جو خاتون اس پر عمل کرے گی ان شاء اللہ زیادہ ثواب پائے گی۔

دوسری رائے کے مطابق ایک عورت کا گھر سے باہر جاتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو نہ ڈھانپنا ضرورت کی بنا پر ہے، اس لیے مردوں کو ہدایت کی گئی ہے:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾

"اور مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔" (سورۃ النور:30)

اس تمہید کے بعد یہ بات تو واضح ہو گئی کہ دوسری رائے کے مطابق چہرے اور ہاتھ کی وہ زیبائش جس کا اتارنا مشکل ہوتا ہے، اس حد تک اس کا اظہار جائز ہے لیکن ہاتھ پر ایک سادہ سی مہندی کا نمایاں ہونا اور ہے دوسرا نقش ونگار بنا کر اسے مزید پرکشش بنانا اور پھر اسے غیر محارم کے سامنے نمایاں کرنا، کیا یہ سب بھی جواز کا حکم رکھے گا؟

دوسری رائے کے قائل حضرات کے نزدیک بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

محمد علی الصابونی اپنی کتاب تفسیر آیات الاحکام میں لکھتے ہیں:

"وہ ائمہ جو کہتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ عورۃ نہیں ہے (یعنی انہیں ظاہر کیا جا سکتا ہے) وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ ان پر زینت کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے تاکہ کسی قسم کا فتنہ نہ ہو۔" (تفسیر آیات الاحکام: 157/2)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ہتھیلیوں اور بازو پر مہندی کے نقش ونگار لگانا جائز ہے لیکن غیر محرم مردوں کے سامنے اس کا اظہار جائز نہیں۔ سائلہ کے سوال کے مطابق وہ صرف ایسے منقش ہاتھ کی تصویر کی نمائش چاہتی ہے تاکہ اس کی یہ بزنس زیادہ سے زیادہ لوگوں کے علم میں آسکے۔

اسے خود بھی اس بات کا اقرار ہے کہ یہ تصاویر لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔

اب چونکہ ہاتھ کی یہ تصویر ایک غیر معلوم ہاتھ کی ہو گی۔ یہ ظاہر نہ ہو گا کہ یہ کس کی تصویر ہے تو کیا اس کی گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے؟

ہمارے خیال میں اگر ایسی صورت میں بھی فتنے کا احتمال ہو تو بہتر ہے کہ ایسی تصاویر کی نمائش صرف

خاتون کے رسائل، ان سے خاص ویب سائٹس تک ہی محدود رکھی جائے۔ مردوں کا غض بصر کے حکم کے مطابق ان رسائل اور ویب سائٹس کو دیکھنا محل نظر ہو گا۔ واللہ اعلم

جادو ٹونے کا حکم

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے کہ اس کا خاوند گھر میں جادو ٹونے کرتا رہتا ہے اور اس کے بہت سے شواہد ملے ہیں جن میں یہ چیزیں شامل ہیں:

1۔ ایسے تعویذ اور طلسم جن کے ذریعے جنوں سے رابطہ کیا جاتا ہے۔

2۔ خاص قسم کے قلم، دھاگے، روشنائی اور سوتی اور اونی نمونے۔

3۔ خاوند جنات سے رابطہ کرنے کے لیے جنگلات کا رخ کرتا ہے اور اس طرح وہ کورونا وائرس کا بھی علاج کرنے کا دعویٰ کرتا ہے کہ جنہیں وہ انسان کے بدن سے جدا کر دیتا ہے۔

4۔ گھر کے عقبی باغیچے میں گوشت پھینکا جاتا ہے۔

جواب: اسلام میں کالا جادو کرنا بالکل حرام ہے۔ سورۃ البقرہ میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کا ذکر کیا گیا ہے جن کی زبانی جادو کو کفر گردانا گیا ہے۔ آیت 102 ملاحظہ ہو:

اس آیت میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾

"اور وہ پیچھے لگے ان چیزوں کے جو سلیمان کے زمانہ میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں بلکہ شیطان کفر کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ سب کچھ جو بابل میں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ دونوں جب کسی کو یہ (جادو) سکھاتے تو اسے بتا دیتے کہ ہم تو ایک آزمائش (کے طور پر اتارے) گئے ہیں تو تم یہ کفر نہ کرو!

پھر وہ ان دونوں سے وہ کچھ سیکھتے کہ جس سے وہ ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے۔ اور وہ کسی کو بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اللہ کے حکم سے،

اور وہ، وہ کچھ سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا تھا اور انہیں فائدہ نہ دیتا تھا، اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو ایسی چیزیں خریدتا ہے، آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں اور کاش وہ جانتے کہ انہوں نے اپنی جانوں کو کسی برے عوض میں بیچ ڈالا ہے۔"

ان آیات میں جادو کو کفر کہا گیا ہے اور اسلام میں بھی اس کا یہی حکم ہے۔

جادو سے عموماً برے کام کیے جاتے ہیں جیسے زوجین کے مابین جدائی ڈالنا یا کسی فریق سے انتقام لینا، بعض دفعہ کسی اچھے کام کرنے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے جیسے زوجین میں قربت پیدا کرنا یا کسی گمشدہ چیز کو بر آمد کرنا۔

بہر حال مقصد کچھ بھی ہو، جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اس میں شرکیہ منتروں کی آمیزش کی جاتی ہے جو کہ اسلام میں نا قابل قبول ہے۔

جادو گر حضرات اپنی محفل میں ایک سنسنی خیز ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ جنات کو قابو کیا جا سکے اور ان کے توسط سے اپنے مقاصد حاصل کیے جائیں۔

یہاں ہم چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو جادو گروں کے ہتھیار شمار ہوتے ہیں:

1۔ ایک اندھیرا کمرہ جس میں موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔

2۔ اگر بتیاں جلائی جاتی ہیں لیکن ناپسندیدہ بو کے ساتھ۔

3۔ کالا مرغا و کالا بکرا اللہ کے نام لیے بغیر ذبح کیا جاتا ہے۔

کاروائی کے دوران مذبوح جانور کا گوشت یا ہڈیاں لائی جاتی ہیں اور ان پر جانور کا خون چھڑکا جاتا ہے۔

پھر ان پر منتر پڑھا جاتا ہے اور جن کو حاضر کیا جاتا ہے، جس کی نشانی دھواں ہے جو مذکورہ مواد پر سے اٹھتا نظر آتا ہے۔ پھر جادو گر جن سے بات کرتا ہے اور اس سے مدد چاہتا ہے۔

یہ سادہ ترین کاروائی کا ایک نمونہ ہے، اگر طلب بڑی ہو تو اس کے لیے مزید شیطانی حربے عمل میں لائے جاتے ہیں جن میں انسانی قربانی اور خاص طور پر بچوں کی، عمل میں لائی جاتی ہے اور اسی لیے کئی مشرقی ممالک میں بچوں کی ایک معتدبہ تعداد گمشدہ قرار دی جاتی ہے لیکن انہیں بر آمد نہیں کیا جا سکتا۔

جادو کے اس قبیح فعل کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے اور جادو گر کے لیے زیادہ سے زیادہ سزا تجویز کی گئی ہے، ایسے شخص سے رشتہ زوجیت بر قرار رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

☆☆☆

سوانح حیات

آہ! شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ

شیر خان جمیل احمد عمری

15 اکتوبر 2022 سنیچر کی شام برمنگھم برطانیہ میں ہند سے آئے ہوئے ایک خاص مہمان، میرے سینئر، شیخ عبدالمقیت عمری مدنی وجے واڑا، سابق اتاشی انڈین کونسلیٹ جدہ سعودی عرب کے ساتھ ان کی بیٹی اور داماد کے گھر بیٹھا محو گفتگو تھا کہ اچانک فون پر شیخ حافظ عبدالحسیب عمری مدنی کا میسیج دیکھا کہ شیخ عزیر شمس صاحب کے انتقال کی خبر آرہی ہے۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ ہاتھ پیر ڈھیلے ہونے لگے۔ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہیں سے مکہ مکرمہ عزیر بھائی کے پرسنل نمبر پر فون ملایا لیکن گھنٹی بج بج کر بند ہو گئی۔ اسی بے قراری کے عالم میں برطانیہ کے میرے ایک محب دوست شیخ حافظ حمودالرحمن مکی شرقپوری خطیب مکی مسجد مانچسٹر نے یہی خبر لکھ کر مجھ سے تصدیق چاہی تو میری تشویش میں اور اضافہ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر حقیقت بن کر سامنے آگئی:

إنا لله و إنا إليه راجعون. اللّٰهُمَّ اغفر له وارحمه واسكنه فسيح جناته جنات النعيم. آمین

پچھلے 32 سالوں سے عزیر بھائی کے ساتھ میرے دیرینہ تعلقات تھے، یادگار ملاقاتیں رہیں۔ مشورے اور تبادلہ خیالات ہوئے، جمعیت جماعت کی فلاح وبہبود اور بین المسالک اتحاد کی صورتیں وغیرہ موضوعات پر تبادلہ خیالات کا ایک سلسلہ تھا۔ فون اور واٹس ایپ پر آپ سے رابطہ کی ایک تاریخ ہے۔ آپ کی وفات کی خبر نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ آپ سے جڑا ایک ایک واقعہ دل و دماغ میں گھوم رہا ہے۔ نہ صرف میں بلکہ بے شمار اہل علم ایک اچھے خیر خواہ، مستشار، محقق، علمی سرپرست اور رہنما سے محروم ہو گئے۔ ہمارا جلد ملاقات کا پلان تھا لیکن زندگی کی بے ثباتی نے ہمیں ملنے نہیں دیا بلکہ جدا کر دیا۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: «كفى بالمرء واعظا الموت» ایک مرتبہ پھر نصیحت اور عبرت بن کر ہمارے سامنے آ گئی۔ میں نے اہلیہ اور بچیوں سے کہا کہ ہماری بھی موت ایسے ہی اچانک آئے گی۔ اس لئے ہم سب کو ہمیشہ اس کے لئے تیار رہنا چاہئے!

میں نے بڑے بڑے علماء کو دیکھا، ان سے ملاقاتیں کیں اور حسب توفیق ان کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ لیکن ان تمام میں عزیر بھائی بالکل مختلف تھے۔ عجب درویش صفت انسان تھے۔ علم کا سمندر تھے، اس کے باوجود نہایت متواضع، سیدھے سادے، تکلفات سے کوسوں دور، حلیم الطبع، صابر وشاکر، چہرے پر ہمیشہ بشاشت اور تبسم، سب سے خندہ پیشانی سے ملنا آپ کا معمول تھا۔ جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے سننے والے کو گمان ہوتا کہ آپ اس موضوع کے متخصص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا شعور عطا کیا تھا اور حافظہ کی بات تو پوچھئے ہی مت! آپ کی مجلس میں بیٹھ کر عقل حیران رہ جاتی تھی۔ تخصص تو عربی لغت میں کیا تھا، لیکن مطالعہ کی کثرت، علماء کی صحبت، والد اور اساتذہ کی تربیت نے آپ کو ہر فن مولا بنا دیا تھا۔ تفسیر، حدیث، عقیدہ، سیرت، فقہ، رجال سے لے کر تاریخ وغیرہ پر غضب کا عبور حاصل کر لیا تھا۔ شخصیات کو تولنا، پرکھنا اور پڑھنا بھی آپ کو خوب آتا تھا۔ بالمشافہ ملاقات ہو یا فون پر گفتگو، جب کبھی کسی فوت شدہ یا زندہ شخصیت پر تبادلہ خیالات کرتے تو لمحوں میں اس شخصیت کے متعلق ایک بنیادی اور مرکزی رائے قائم کرنے میں مدد مل جاتی۔ میں نے نوٹ کیا کہ آپ کسی بھی مسئلہ میں انجام سے بے پرواہ ہو کر بے لاگ تبصرہ کرنے کے عادی تھے۔ تملق، بناوٹ، مصلحت، ریا و نمود اور عجب سے بالکل پاک نظر آتے تھے۔ أحسبه كذلك والله حسيب للجميع ولا أزكى على الله أحدًا

عزیر بھائی کے والد بزرگوار حضرت مولانا شمس الحق سلفی شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے صرف چند دن قبل جنوبی ہند کا دعوتی دورہ کیا تھا۔ اس موقع پر آپ میرے آبائی وطن ادونی ضلع کرنول آندھرا پردیش بھی تشریف لائے اور 2 دن ہمارے مکان پر قیام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ان کی خدمت کرنے اور صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع عنایت فرمایا تھا۔ اس طرح سے مجھے عزیر بھائی سے قبل ان کے والد محترم سے ملاقات اور استفادہ کا موقعہ ملا۔ عزیر بھائی اس واقعہ سے بہت متأثر تھے۔

مادر وطن ہند کی دو جمعیتوں کی صلح پر خوش ہوئے اور مبارکباد بھی دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد، میں نے جب ناچاہتے ہوئے ضرورتاً صلح کی روداد لکھی جو بعد میں شائع بھی ہوئی۔ اس روداد کو عزیر بھائی کے پاس بھیجا اور پڑھنے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کو مکمل پڑھا اور بذریعہ واٹس ایپ مجھے پیغام لکھا کہ فون پر بات کرنی ہے۔ چنانچہ میں نے انہیں فون ملایا تو جمعیت کی فرنٹ لائن کی بعض اہم شخصیات پر اپنے تجربات، واقعات اور کچھ شہادات کا سہارا لے کر بعض اہم باتوں کا انکشاف کیا۔ بڑے پیار سے صلح کی روداد کے فوائد و نقصانات پر بھی روشنی ڈالی۔ پھر جب میں نے انہیں کچھ اہم تفصیلات سے آگاہ کیا نیز کچھ چیزیں پڑھنے کے لئے بھی ارسال کیں اور صلح کی روداد لکھنے کی وجوہات لکھ بھیجیں تو پڑھ کر مطمئن نظر آئے اور مجھے ذیل کے دعائیہ کلمات لکھے:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے، آپ کے حاسدین کو نیک سمجھ دے اور آپ کو دین وملت کی

مزید خدمت کی توفیق دے۔ میرے حق میں بھی دعا کرتے رہیں۔ بارك الله فيكم وسدد خطاكم (عزیر شمس)"

عزیر بھائی کو جہاں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیات کے علوم و معارف پر تبحر حاصل تھا وہیں آپ مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بہت زیادہ متاثر تھے۔ مولانا آزاد کے اصلاحی طور طریقے، ان کا نقاد شخصیات اور طبقات کو Ignore کرنا اور صرف اپنے کاموں پر فوکس کرنا آپ کو بہت زیادہ پسند تھا۔ مجھے بھی اس کا حوالہ دے کر اس پر عمل کی تلقین کرتے تھے۔ فرماتے تھے، ناقدین کو کبھی پلٹ کر نہ دیکھیں اور نہ ہی ان کے منہ لگیں ورنہ آپ کا قیمتی وقت ضائع ہو گا۔ آپ جمعیتوں، تنظیموں، اداروں، مدارس وغیرہ کی اصلاح کے لئے خارجی مہم چلانے کے سخت مخالف تھے۔ کہتے تھے کہ اس سے کام مزید خراب ہوتا ہے، انتشار اور بڑھ جاتا ہے۔ ہم پر بس اتنا ہی فرض ہے کہ ہم نصیحت کریں اور اپنی راہ لے لیں۔ اسی ضمن کا ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے۔ ہند کی ایک ذی علم، قوم وملت کا درد رکھنے والی مخلص شخصیت جن سے میرے بھی اچھے تعلقات ہیں، نے کچھ عرصہ قبل مذکورہ موضوع پر ایک طویل مضمون لکھا تھا۔ کسی نے شیخ عزیر کو یہ مضمون بھیجا تو شیخ عزیر نے صاحب مضمون محترم کو یہ لکھا:

(معلوم رہے عزیر بھائی نے استفادہ کی غرض سے مجھے بھی یہ تحریریں بھیجی تھیں۔) "میرے بھائی سلفیت بطور ایک منہج فکر اور مسلک کے تمام مسلمانوں کے ساتھ اتحاد اور محبت کی دعوت، تمام ائمہ کرام اور مذاہب فقہیہ سے استفادہ، تزکیہ نفس وسلوک، غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت، اہل بدعت ومعاصی کی حکمت کے ساتھ اصلاح، توحید وسنت کی اشاعت، قرآن اور حدیث کی خدمت، استعمار کے مقابلہ، ہر دور میں پیدا ہونے والے فتنوں کے قلع قمع کرنے اور ہمیشہ اجتہاد اور تجدید کی دعوت۔۔۔۔ سے عبارت ہے۔ دنیا کی کوئی سلفی تنظیم اگر ان میدانوں میں کوتاہی کرتی ہے یا ان بنیادی مقاصد سے دور ہو جاتی ہے اور اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہیں دیتی تو اسے نصیحت کی جائے اور اللہ سے دعا کی جائے۔ مگر اس کے خلاف بغاوت کا کچھ حاصل نہیں۔ ہمیں کسی نے مجبور نہیں کیا ہے کہ اس تنظیم کا ضرور دفاع یا اس پر ہجوم کریں۔ اس سے کنارہ کشی اور تعاون علی البر والتقوی وعدم التعاون علی الإثم والعدوان پر عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک سمجھ دے۔ آپ کو صحت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے، الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دے۔ میرے حق میں بھی دعا کی درخواست ہے۔" (عزیر شمس مکہ مکرمہ)

جمعیتوں، تنظیموں، اداروں، جامعات، مدارس وغیرہ کے بگاڑ پر باہر سے اس کی اصلاح کے متعلق آپ کا نظریہ اور منہج یہی تھا۔ اصلاح کی ذمہ داری اندرون خانہ افراد کی ہے۔ خوبی وخرابی کے وہی ذمہ دار ہیں اور جوابدہ بھی۔

اسی طرح سے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو کافی عقیدت تھی۔ حضرت بھوجیانی کی صحبت سے آپ نے بہت استفادہ کیا تھا اور خوب تربیت بھی لی تھی۔ مولانا کی نصیحتوں کو ہمیشہ گلے سے لگائے رکھا۔ مولانا بھوجیانی نے جمعیتوں کی اصلاح وغیرہ کے تعلق سے انہیں جو نصیحت کی تھی اس کو بتاتے رہتے تھے۔ اس تعلق سے ایک معزز شخصیت کو آپ نے اپنے ایک خط میں لکھا (بقلم خود لکھے خط کی کاپی مجھے بھی پڑھنے کے لئے بھیجی تھی)

"....مولانا بھوجیانی مرحوم نے مجھے نصیحت کی تھی کہ عزیر جمعیت وتنظیم کی اصلاح اور اس میں تبدیلی کے چکر میں کبھی مت پڑنا۔ تمہیں جو کچھ توفیق ہو دینی و علمی کام کرنا ﴿ لا يكلف الله نفسا إلا وسعها﴾ اور میں آج تک اس پر عامل ہوں۔۔۔۔ (عزیر شمس)

تاریخ اہل حدیث سے آپ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی، شغف تھا۔ بالخصوص انیسویں اور بیسویں صدی میں برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے جو حالات تھے اس پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے بتاریخ 7 ذي القعدہ 1421ھ میرے دوست، مؤرخ اہل حدیث، محسن جماعت محترم ڈاکٹر بہاؤ الدین محمد سلیمان اظہر صاحب کو ایک تفصیلی خط لکھا جس کو ہم نے تاریخ اہل حدیث کی نویں جلد میں شائع کیا ہے اور فیس بک پر بھی شیئر کر دیا ہے۔ جس میں شیخ عزیر شمس رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر بہاؤ الدین صاحب کو تجویز دیتے ہوئے لکھا:

"برصغیر میں اہل حدیث کی تاریخ پر تحقیقی انداز میں لکھنے کی اب اشد ضرورت ہے۔ جس میں انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں ان کی خدمات، مسلک کی اشاعت سے متعلق کوششوں، مناظرانہ سرگرمیوں، علمی تعلیمی سیاسی میدانوں میں ان کے نقوش واثرات کا تفصیلی جائزہ ہو۔ افسوس کہ اب تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سے پوری تصویر سامنے نہیں آتی۔ عربی انگریزی حتی کہ اردو میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی نہیں جس میں اہل حدیث کا مجمل ہی سہی مگر مکمل خاکہ ہو۔ میں نے ایک عرصہ قبل تذکرہ علمائے اہل حدیث مرتب کیا تھا جس میں تقریباً 600 علماء کا تذکرہ ہے، مگر وہ بھی نظر ثانی کا محتاج ہے اور ناقابل اشاعت مسودہ ہے۔ سعودی عرب میں قیام کی وجہ سے اب تک اسے شائع کرنے کے لائق نہ بنا سکا۔ دعا کریں کہ کبھی اس کی تکمیل کی فرصت مل جائے۔ اس وقت میری نظر میں اہل حدیث کی ایک مختصر تاریخ لکھنے کا کام آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ امید ہے آپ اس کے لئے ہمت اور توجہ کریں گے۔ اس کا ایک اجمالی خاکہ بنا کر اس کی ترتیب وتدوین کا کام شروع کر دیں گے۔ اردو یا انگریزی میں اگر آپ اسے تیار کر دیں تو عربی میں اس کے ترجمے کا کام یہاں ہو جائے گا۔ عربی کتابوں سے کسی طرح کے مواد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف مجھے تحریر کریں، میں إن شاءاللہ اس سلسلہ میں ہر ممکن تعاون کروں گا۔" (عزیر شمس)

اس طرح سے تاریخ اہل حدیث کے اس عظیم پروجیکٹ کو وجود میں لانے کے محرکین میں شیخ عزیر شمس کا نام سرفہرست بن کر تاریخ میں محفوظ ہو گیا

ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے دونوں پروجیکٹس (تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث) کے آپ بڑے قدردان تھے۔ پچھلے سال "تاریخ اہل حدیث" کی نویں جلد کی اشاعت کی خبر جب میں نے انہیں سنائی اور بذریعہ واٹس ایپ اس جلد کا مقدمہ اور فہرست بھیجی تو مجھے جواباً لکھا:

"السلام علیکم! ماشاءاللہ نویں جلد بھی چھپ گئی۔ اللہ مبارک کرے۔ میاں صاحب کے مکاتیب بہت اہم ہیں۔ ان سے 19 ویں صدی میں برصغیر کے مذہبی، تعلیمی اور معاشرتی حالات روشنی میں آتے ہیں۔ ان مکاتیب نیز فتاوی سے میاں صاحب کی شخصیت کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں۔ افسوس کہ اب تک کسی نے ان کا تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب (بہاؤ الدین) سے سلام کہیں اور میری طرف سے انہیں مبارکباد۔ امید کہ یہ وسیع مواد 19 ویں صدی میں برصغیر کی اصلاحی تحریک کی تاریخ لکھنے والوں کے کام آئے گا۔" (عزیر شمس)

عزیر بھائی جب کسی مواد کی تلاش میں رہتے تو کبھی کبھار اس کا تذکرہ مجھ سے بھی کرتے اور دریافت کرتے کہ کوئی آئیڈیا ہے کہ یہ کہاں سے مل سکتا ہے؟

کچھ عرصہ قبل مجھے یہ لکھا:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبدالحلیم ویلوری ت 1336ھ کی ایک کتاب عقیدہ سلف پر (توضیح الدلیل فی ابطال التشبیہ والتعطیل) مطبوع ہے۔ کیا وہ کہیں دستیاب ہے؟ مؤلف کا ذکر نزہۃ الخواطر ج 8 صفحہ 224 میں ہے۔"

نیز فون کرکے مجھے بتایا کہ ممکن ہے جنوب ہند کی کسی لائبریری میں یہ کتابچہ موجود ہو۔ میں نے مہم چلائی۔ جنوب ہند میں مادر علمی جامعہ دارالسلام عمرآباد کی "عمر لائبریری" میں بھی اس نسخہ کے موجود ہونے کا امکان تھا۔ چنانچہ میں نے برادر عزیز مولانا محمد رفیع کلوری عمری اور محب مولانا حافظ ابوبکر زہیر عمری اور ان کے لائق فرزند عزیزم ڈاکٹر ابوبکر ابراہیم عمری سے رابطہ کیا۔ حافظ ابوبکر زہیر عمری صاحب نے مجھے لکھا کہ یہ نسخہ عمر لائبریری میں میری نظر سے گزرا ہے، پھر ایک دو دن میں ہی انہوں نے اس کو تلاش کرلیا اور اس کے سرورق کی فوٹو کاپی مجھے واٹس ایپ کی۔ جس کو میں نے شیخ عزیر شمس رحمۃ اللہ علیہ کو بھیج دیا۔۔۔

سال 2 سال قبل آپ کا لکھا ہوا ایک معرکۃ الآرا مضمون بعنوان "علامہ ابن تیمیہ اور شبلی نعمانی" کو افادہ عام کے لئے میں نے فیس بک پر شیئر کیا تھا۔ احباب نے اس کو بہت پسند کیا اور عزیر بھائی کو خوب ایڈمائر کیا۔ اس پر عزیر بھائی نے مجھے لکھا:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

یہ مقالہ میں نے کئی سال قبل دارالمصنفین میں شبلی سے متعلق کانفرنس میں پڑھا تھا اور کئی بار شائع ہوا۔ آج کل امام ابن تیمیہ سے متعلق ببلیوگرافی کی تبییض کررہا ہوں جس کا مواد 25 سال سے جمع کررہا تھا۔ دعا کریں کہ جلد تکمیل کو پہنچے۔ آپ کیا کررہے ہیں۔ وہاں کے حالات کیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو بلا سے محفوظ رکھے آمین۔"

"معیار الحق" کو عربی میں منتقل کردینے کی خوشخبری سناتے ہوئے مجھے لکھا:

"ادھر میں نے معیار الحق کا عربی ترجمہ مکمل کرلیا۔ اب حوالوں کو چیک کرنا، مقدمہ اور حواشی کا کام باقی ہے۔ عربی عبارتیں بہت محرف اور غلط ہیں۔ میرے پاس اس کے 5 ایڈیشن ہیں سب ہی اغلاط واسقاط سے پر۔ دعا کریں کہ مخطوط اور مطبوع مآخذ دستیاب ہو جائیں جن کی بڑی تعداد ہے۔ آج کل محصور ہونے کی وجہ سے ادھر ادھر دوستوں کے ذریعہ سوفٹ کاپی منگوا رہا ہوں۔" (عزیر شمس، 22 مئی 2020ء)

اس پر میں نے انہیں لکھا:

"ڈاکٹر بہاءالدین صاحب کی تاریخ اہل حدیث کی جلد 4 میں معیار الحق کے کئی طبعوں کو سامنے رکھ کر اس کو مندرج کیا ہے۔ غالباً سب سے بہتر ہے۔ یہ جلد محدث کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ (شیر خان جمیل احمد) پھر عزیر بھائی نے مجھے جواباً لکھا:

"میرے پاس اصل کتاب ہے اس کا بھی مراجعہ کیا ہے لیکن عبارتیں اس میں بھی بہت غلط ہیں۔ گوندلوی کی تحقیق کا حال اس سے بھی برا ہے۔ بغیر مآخذ کے مراجعہ کے تصحیح ممکن نہیں۔ گوندلوی صاحب نے کچھ مراجعہ کیا لیکن عبارتیں غلط اور محرف باقی رکھیں۔" (عزیر شمس)

عزیر بھائی مجھ سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ نہ جانے کیوں مجھ سے بے تکلف بھی بڑے تھے۔ اسی اپنے پن کی وجہ سے میں انہیں شیخ وغیرہ کے لقب کی بجائے ہمیشہ عزیر بھائی کہہ کر بلاتا تھا۔ مجھے اپنا خاص ٹیلی فون نمبر بھی دے رکھا تھا جس پر فوری رابطہ ہو جاتا تھا۔ آپ مجھ سے راز و نیاز کی بھی باتیں کرتے، بڑی اپنائیت سے کبھی کبھی اپنی نجی باتیں بھی شیئر کر دیتے۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو اپنی ایک بچی کے رشتہ کی تلاش کی بات کی۔ انہی دنوں میں بھی اپنی بچی کے لئے رشتہ تلاش کر رہا تھا۔ کہنے لگے کہ ایسا کریں اپنی بچی کے ساتھ میری بچی کا بھی رشتہ تلاش کریں۔

آپ نے آخری دنوں میں مجھ سے کئی بار یہ کہا کہ لوگوں کی تنقید کی کبھی پرواہ نہ کیا کریں اس سلسلہ میں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی روش کو اختیار کریں۔ ناقدین کی طرف کبھی پلٹ کر نہ دیکھیں، ان کو جواب بھی نہ دیں، اپنا وقت ضائع نہ کریں، خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں۔ حسد کا جواب نہیں دیا جاتا، بس کام کرتے رہیں۔

آپ کہنہ مشق محقق تھے۔ سینکڑوں عرب و غیر عرب علماء کے لئے علمی مرجع تھے۔ نہ جانے کتنوں کے دکتورہ اور ماجستیر کے مقالات کے خاکے اور خطے بنانے میں رہنمائی کی ہوگی۔ کتنی ہی کتابیں اور سوانح آپ کے زیر اشراف تیار ہوئی ہونگی! مختار فاؤنڈیشن ممبئی کے سربراہ برادر مکرم اسلم مختار صاحب نے اپنے والد بزرگوار شیخ مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح تیار کرنے کا جب فیصلہ کیا تو شیخ عزیر شمس ہی سے اس کا خاکہ وخطہ بنوایا تھا۔ جس میں شیخ ضیاء الحسن سلفی نے بڑی محنت سے رنگ بھرا تھا۔ اسی ہفتہ کینیڈا کے ایک ساتھی نے غالباً اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لئے ایک موضوع پر معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھ

سے رابطہ کیا تھا۔ جس دن شام میں شیخ عزیر کی وفات ہوئی اسی دن صبح کو میں نے اس کینیڈین ساتھی کو مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لئے جن چند مشائخ کے نام لکھ بھیجے تھے ان میں پہلا نام شیخ عزیر شمس ہی کا تھا لیکن اللہ کا فیصلہ دیکھئے اسی دن شام میں آپ وفات پاگئے۔ آپ کی وفات بھی دیکھیے کس وقت ہوئی اور کس کام میں آپ مشغول تھے۔ آپ اپنی مجلس میں کچھ دینی طلبہ کو نصیحت فرمارہے تھے کہ وقت اجل آ پہنچا۔ سوشل میڈیا پر اس مجلس میں موجود شیخ نبیل بن نصار السندی نے آنکھوں دیکھا حال اپنے ٹیوٹر اکاؤنٹ میں لکھاہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"مات الشيخ محمد عزير شمس على ما عاش عليه. كنت عنده حين أتاه اليقين. وكان معي أحد طلبة العلم المستجدين بدار الحديث الخيرية. وكان آخر حديث الشيخ نصحه بالجد فى الطلب والمراس على الكتابة بتلخيص ما يقرأ ويسمع، وقد نصحه لمعرفة الضبط الصحيح بالمعجم الوسيط ومعجم الاعلام." إنا لله وانا اليه راجعون

شیخ عزیر شمس حدیث رسول: «خير الناس من ينفع الناس» کی عملی تفسیر تھے۔ طلب پر تو سب کی دینی علمی رہنمائی کرتے ہی تھے لیکن جو لوگ ویسے ہی آپ سے ملنے آتے تھے آپ ان کو بھی مختلف بہانوں سے مشوروں اور توجیہات وغیرہ سے مستفید فرماتے تھے۔ ہر ایک سے ایک سوال ضرور کرتے تھے کہ آجکل کیا کر رہے ہیں۔

عزیر بھائی سے جڑی باتیں تو بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے وقت کی بڑی قدر کی۔ آپ کے کارنامے بڑے عظیم ہیں۔ جانکار ان کو قلمبند کریں گے۔ ان سب خوبیوں، کمالات اور خصوصیات کے باوجود آپ بشر تھے۔ آپ کے ساتھ بشری تقاضے لگے تھے۔ اپنے اجتہادات، آراء، افکار، تفردات، فیصلے، بحث و مباحثے وغیرہ تسامحات سے خالی نہیں ہوسکتے، احباب نے ان سے علمی و فکری اختلاف بھی کیا ہے۔ کمال صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ ہمیں ان کی خوبیوں اور اچھائیوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ ان سے عقیدت، تعلق اور دوستی کا حق ادا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیر بھائی پر رحم فرمائے، ان کی تسامحات اور بشری لغزشوں کو درگذر فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام مرحمت فرمائے، جملہ اہل خانہ کو صبر جمیل دے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین

☆☆☆

قاری محمد عبد الحق کی غائبانہ نماز جنازہ

ڈاکٹر عبد الرب کے چھوٹے بھائی قاری عبد الحق کی جامع مسجد محمدی ہارٹ روڈ الم راک، برمنگھم میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اپنے وطن مالوب میں چھٹیاں گزار کر برطانیہ واپس ہوئے ہیں، ابھی دو ہفتے نہیں گزرے تھے کہ ان پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ ان کے چھوٹے بھائی قاری محمد عبد الحق بن محمد سرور محمدی حیدر آباد دکن میں زیر علاج تھے، اچانک طبیعت بگڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے داغ مفارقت دے چکے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے کہا کہ جامع مسجد اہل حدیث فتح دروازہ مرحوم کے تایا قاری محمد افضل محمدی اور والد مولانا محمد سرور محمدی کی نشانی ہے، ان بزرگوں کی وفات کے بعد قاری محمد عبد القدیر محمدی اور قاری محمد عبد الحق محمد سرور محمدی اس مسجد اور جامع سمیہ کے انتظام وانصرام میں مصروف تھے، آج سے تقریباً ایک سال قبل قاری عبد القدیر محمدی اسی طرح سب کو داغ مفارقت دے کر چلے گئے اور اب ان کے چھوٹے بھائی جو مسجد و مدرسہ کے علمائے کرام و اساتذۂ عظام کے لیے دل کھول کر خرچ کرتے تھے وہ بھی سب کو روتا چھوڑ کر چلے گئے، وہ دونوں گویا کہ اس شعر کے مصداق تھے:

جب آیا تھا تو دنیا میں سب ہنستے تھے تو روتا تھا
بسر کر زندگی ایسی کہ سب روتے رہیں تو ہنستا جا

اللہ تعالیٰ نے مولوی عبد الحق محمدی کو بہت دولت اور بڑا دل عطا فرمایا تھا وہ مستحقین اور خاندان و غیر خاندان کے غرباء و مساکین پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے اور گزشتہ کئی سال سے وہ جامع اور مسجد کے انتظام کے لیے وقف ہو گئے تھے اور اپنے بچوں خصوصاً اپنے بڑے بیٹے حافظ محمد ابراہیم محمدی کو ان امور کا ذمہ دار بنادیا تھا اور حافظ محمد ابراہیم محمدی بھی اپنے فرائض منصبی بحسن خوبی انجام دے رہے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا، یہاں تعزیت کرنے والوں میں مولانا محمد عبد الہادی العمری، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، حاجی عبد الغفور چوہدری، چوہدری محمد اسلم، چوہدری محمد نسیم، قاری عبد العزیز، قاری عبد السمیع، قاری عبد الصمد، حافظ عبد الحمید، عبد الوحید ڈڈلی، محمد سلامت اللہ، حافظ عمار انجینئر، حاجی اللہ دتہ، محمد فاروق نسیم، قاری حفیظ الرحمٰن، محمد عبد الفتاح، عبد المنان، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، آصف محمود جنجوعہ، محمد عمر، مولانا حسان القاسمی کویت، عبد الخلیق مشہود ریاض، مولانا سید ایوب العمری ریاض، حافظ عبد الحیٔ عامر عمری ریاض، شیخ عبد اللہ، شیخ سعد، حاجی محمد حسین، ڈاکٹر عاقب حسین، شیخ محمد صالح الیمانی، سید اسماعیل علی، سید اسحاق الحقانی حیدر آباد دکن اور بہت سارے احباب و اقارب نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی نیکیوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ 24 اکتوبر کو بعد نماز عشاء ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے مسجد محمدی ہارٹ روڈ برمنگھم میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی، جس میں خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ مرحوم کی عمر 59 سال تھی، پسماندگان میں 6 بیٹے، ایک بیٹی اور اہلیہ شامل ہیں، سب بچے والد کی طرح نیک اور فرمانبردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ عبد الحق محمد سرور کو بخشے بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔

☆☆☆☆



لفظ"بدعت" در اصل کتاب و سنت کا متضاد لفظ ہے اس کے متعلق جاننا اور اس کی معرفت حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، تاکہ مسلمان اللہ کی معصیت سے بچے رہیں اور اپنے کسی عمل سے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ ہو۔"بدعت" در اصل دین اسلام میں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ گمراہی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کے سبب اصل دین یعنی کتاب و سنت کو فراموش کر دیا جاتا ہے اس مضمون کو ترتیب دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمان بدعت کی خباثت اور اس کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہیں اور خالص کتاب و سنت پر عمل پیرا ہوں۔ اس سے قبل ہم نے "رسول اللہ ﷺ کا پیغام حاملین قرآن کے نام" تحریر کیا تھا جسے عوام الناس نے خوب سراہا، اس کے بعد ہم نے ایک اور مضمون "رسول اللہ کا پیغام حاملین سنت کے نام" تحریر کیا تھا اسے بھی قارئین نے خوب پسند فرمایا ،ان دونوں موضوعات کی مناسبت سے اس عنوان "رسول اللہ ﷺ کا پیغام حاملین بدعت کے نام" تحریر کیا ہے تاکہ قارئین کو قرآن وسنت کی اہمیت اور بدعت کی خباثت کا اندازہ ہو جائے۔ اس مضمون میں ہم نے صرف بدعت کی تعریف کی اور حدیث شریف کے حوالوں سے اس کی برائی ذکر کی ہے۔ لہٰذا ہم نے کہیں بھی اپنا نکتہ نظر بیان کرنے کی کوشش نہیں کی ہے تاکہ عوام از خود بدعت کی برائی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور کتاب و سنت کے بلند مقام و معیار کو جانیں۔

☆**بدعت کا معنی و مفہوم:** "بدعت" عربی زبان کا لفظ ہے جو "بدَعَ، یبدع، بدعا سے مشتق ہے اس کا معنی ہے:

"الاِخْتِرَاعُ عَلَی غَیْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ"

کسی چیز کی ایجاد بالکل نئے طرز سے ہو جس کی سابق میں کوئی مثال نہ مل رہی ہو"

اسی سے اللہ تعالی کا قول ہے:

﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ والْأَرْضِ﴾

"اللہ تعالی نے آسمان وزمین کو ایسے نئے طرز سے بنایا کہ گزشتہ زمانے میں اس طرح کی کوئی مثال، نہیں ملتی اور نہ اس سے پہلے بنایا گیا تھا"(البقرۃ:117)

اسی طرح انبیاء و مرسلین کی دعوت پر کہا گیا کہ

﴿قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾

"آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا اور نیا رسول نہیں ہوں۔" (بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں)"(سورۃ الاحقاف:9)

اسی سے بعض اہل لغت نے کہا:

"نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا، یعنی کسی شئ کو عدم محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں "ابداع" کہتے ہیں۔"

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی لغوی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: "البِدْعَةُ أَصْلُهَا: مَا أُحْدِثَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ."

"بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کرنا۔"(فتح الباری:4/253)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت کی لغوی و اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ:"بدعت لغت میں ہر اس عمل کو کہا جائیگا جس پر پہلے سے کوئی مثال نہ ہو، اصطلاح شرع میں بدعت کا اطلاق اس نئی چیز پر ہو گا جس کی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں سرے سے کوئی اصل نہ ہو۔"

اسی سے کہا جاتا ہے:

"اِبْتَدَعَ فُلَانٌ بِدْعَةٌ اِذَااِبْتَدَءَ طَرِيْقَةٌ لَمْ يَسْبق إِلَيْهَا."

"فلاں نے بدعت ایجاد کی ہے یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی نے ایسا طریقہ ایجاد کیا ہو جو بالکل نیا ہو اور کسی نے اس سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ کی ہو۔"

بدعت کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی گئی کہ

"البِدْعَةُ الحدث فی الدین بعد الاکمال وما استحدث بعد النبی من العبادات."

" دین مکمل ہونے کے باوجود اس میں کوئی نئی چیز ایجاد کرلی جائے اور طلب ثواب کی نیت سے اس پر عمل ہو، نیز اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس عمل میں کوئی ثبوت(دلیل) نہ ہو۔"

اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ہر اس عمل کا اطلاق بدعت پر ہو گا جس پر شریعت کی طرف سے کوئی دلیل نہ پائی جائے۔ علامہ شمنی نے بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ

"بدعت کا اطلاق ہر اس عمل پر ہو گا جسے حق یعنی رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور حکم کے خلاف ایجاد کرلیا گیا ہو۔"

فقہا کی اصطلاح میں ہر اس نئی چیز کا نام بدعت ہے جس سے کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کی مخالفت ہو رہی ہو اور جس کا شارع علیہ السلام نے اپنے قول وفعل سے

اجازت نہ دی ہو۔" (بدعت کی حقیقت: 11۔13، حافظ عبداللطیف اثری)

بدعت کی تعریف رسول اللہ کی زبانی

رسول اللہ ﷺ نے اپنے الوداعی خطاب میں فرمایا:

«أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ، وَإِنْ عَبْداً حَبْشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعْشْ مِنكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اِخْتِلَافاً كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ فَتَمَسَّكُوْا بِها وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٍ»

"بلاشبہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، لہٰذا ایسے وقت میں میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنائے رکھنا، خلفاء جو اصحاب رشد و ہدایت ہیں، سنت کو خوب مضبوطی سے تھامنا، بلکہ دانتوں سے پکڑے رہنا، نئی نئی بدعات واختراعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، بلاشبہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (سنن ابوداؤد:4607؛ سنن ابن ماجہ:42؛ السلسلۃ الصحیحۃ:1746)

اسی طرح ایک حدیث شریف میں ہے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا خطبہ یوں شروع فرماتے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرماتے جو اللہ تعالیٰ کی شان گرامی کے لائق ہے پھر فرماتے:

«فَمَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَ أَحْسَنَ الْهَدْىُ هَدْىُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَة، وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِيْ النَّارِ»

"جسے اللہ تعالیٰ راہ راست پر لے آئے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اسے کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں، بلاشبہ سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، بدترین کام وہ ہیں جنہیں اپنی طرف سے جاری کیا گیا، ہر ایسا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جائے گی۔" (سنن نسائی:1579؛ سنن ابن ماجہ:45)

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«أَنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ، وَ أَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَإِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لآتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْن»

"سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے بری بات نئی باتوں (بدعات) کا پیدا کرنا ہے اور بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آکر رہے گی اور تم پروردگار سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔" (صحیح بخاری:7277)

اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ»

"جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم موجود نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔" (صحیح مسلم:4493)

بدعات سے نفرت رکھیں

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ بدعات سے نفرت رکھے اور اس سے دوری اختیار کرے بدعات سے نفرت اسی لئے اختیار کرنا چاہئے کیونکہ جب بھی کوئی بدعت وجود میں آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کے مماثل سنت کو اٹھالیتا ہے، سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"مَاابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لاَ يُعِيْدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

"جو بھی قوم اپنے دین میں نئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے اسی کے مماثل سنت کو اٹھالیتا ہے اور پھر اسے دوبارہ ان لوگوں کے پاس قیامت تک نہیں لوٹاتا۔" (سنن دارمی:89)

گویا بدعات سنتوں کو مٹانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اسی طرح بدعات باہمی خون خرابہ اور قتل غارتگری کا موجب بن جاتی ہے، سیدنا ابوقلابہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«مَا ابْتَدَعَ رَجلٌ بدعة إلا استَحَلَّ السَّيْفَ»

"جو شخص بدعت ایجاد کرلیتا ہے وہ اپنے اوپر حملے کے لئے تلوار کو حلال کرلیتا ہے۔" (سنن دارمی:99)

سنت کو لازم پکڑنا اور بدعات سے اجتناب ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، سیدنا عثمان بن ازدی بیان فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو انہوں نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: «نَعَم: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالاِسْتِقَامَةِ اتَّبِعْ وَلاَ تَبْتَدِعْ»

"ہاں (سنو)! تم اللہ کے خوف کو اپنے اوپر لازم کرلو، استقامت کو لازم کرو سنت کی پیروی کرو اور بدعت کی پیروی نہ کرو۔" (سنن دارمی:139)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

«تَعَلَّمُوْاالعِلْمَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ وَقَبْضُهُ أَنْ يَذْهَبَ أَهْلُهُ أَلا وَ إِيَّاكُمْ وَالتَّنَطُّعَ وَالتَّعَمُّقَ وَالبِدَعَ وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيْقِ»

"علم کے قبض ہوجانے سے پہلے علم حاصل کرلو اس کا قبض ہوجانا یہ ہے کہ اہل علم رخصت ہوجائیں گے اور خبردار! مبالغہ آمیز باتیں کرنے سے بچو اور بال کی کھال نکالنے والوں اور بدعت پیدا کرنے والوں سے بچو اور اپنے اوپر سنت کو لازم کرلو۔" (سنن دارمی:142

143/)

اہل بدعت کی شرعی بات قابل رد ہو گی

اہل بدعت کی کوئی بھی بات قابل رد ہوں گی جب تک کہ وہ حدیث کی اسناد و صحت بیان نہ کریں ورنہ علمائے سوء کو آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہ کہتے ہیں کہ روایتوں میں آیا ہے، حدیث کا مفہوم ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے لیکن وہ حدیث شریف کی صحت و سند بیان نہیں کرتے جس کے سبب سامعین یہ یقین کر لیتے ہیں کہ مولانا صاحب نے جو بیان کیا ہے وہ تو سچی بات ہو گی!! اسی یقین کے ساتھ وہ اس بات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اسی لئے عاصم احول رحمہ اللہ نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت کی کہ وہ بیان فرماتے ہیں:

«لَمْ يَكُونُوْا يَسْأَلُوْنَ عَنِ الاِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الفِتْنَةُ. قَالُوْا: سَمُّوْا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ، وَ يَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ البِدْعِ فَلاَ يُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ»

"(ابتدائی دور میں علمائے حدیث) اسناد کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتے تھے، جب فتنہ کا آغاز ہوا تو انہوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے رجال (حدیث) کے نام لو تاکہ اہل سنت کو دیکھ کر ان سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی حدیث قبول نہ کی جائے۔" (صحیح مسلم:27)

اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ بیان کردہ حوالوں کو کتب حدیث میں تلاش کریں دیکھیں تو وہ مل جائیں گے۔

آدمی کسی بھی وقت بدعتی بن سکتا ہے:

بدعت کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کسی بھی وقت بدعت کا شکار ہو سکتا ہے یہ وہ شخص ہے جو علم میں پختہ نہ ہو اسی لئے ہر کسی کی بات کی تصدیق کر لیتا ہے اور وہ بدعتی بن جاتا ہے، سفیان رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ابو موسی (اسرائیل بن موسی بصری نزیل ہند) سے سنا کہہ رہے تھے: ہمیں عمرو بن عبید نے بدعت کا شکار ہونے سے پہلے حدیث سنائی۔" (صحیح مسلم:71)

یہاں یہ امر پوشیدہ ہے کہ بعد میں یہ شخص بدعتی بن گیا، ایسے بہت سے لوگ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں جو کبھی اہل علم تصور کئے جاتے تھے لیکن شکم پروری کی مجبوریوں نے انھیں بدعات کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

بدعت کا وبال "لعنت":

بدعات سے اسی لئے گریز کرنا چاہئے کیونکہ جس کسی شخص نے بدعت کو ایجاد کیا وہ ملعون ہو جاتا ہے سیدنا قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں اور اشتر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے اور ان سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی خاص وصیت فرمائی ہے جو عام لوگوں سے نہ کہی ہو؟ انہوں نے فرمایا نہیں: سوائے اس کے جو میرے پاس اس مکتوب میں ہے۔۔۔ مسدد کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے وہ تحریر نکالی۔ احمد بن حنبل نے کہا: انہوں نے اپنی تلوار کی میان میں سے وہ تحریر نکالی... تو اس میں تھا کہ «الْمُؤْمِنُوْنَ تَكَافَأُ دِمَائُهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ، أَلا لَايُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلاَ ذُوْعَهْدٍ فِيْ عَهْدِهِ، مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا فَعَلَى نَفْسِهِ، وَمَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالمَلاَ ئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»

"تمام اہل ایمان کے خون برابر ہیں اور وہ اپنے علاوہ کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں (ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہیں) ان کے ذمے اور امان کا ان کا دنی سے ادنی آدمی بھی پابند ہے۔ خبردار! کسی مؤمن کو کسی کافر کے بدلے میں اور کسی امان والے کو اس کے ایام امن میں قتل نہ کیا جائے، جس نے دین میں کوئی نیا کام کیا (بدعت ایجاد کی) تو اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہے، جس نے کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو جگہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔" (سنن ابوداود:4530؛ مسند احمد: 10101)

قرب قیامت بدعات کا فروغ

سیدنا یزید بن عمیر رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے، انہوں نے بتایا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ جب بھی ذکر کی مجلس میں بیٹھتے تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے:

" اللہ عزوجل خوب عادل اور فیصلہ کرنے والا ہے ،شک کرنے والے ہلاک ہو گئے" سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک دن کہا: تمہارے بعد بڑے فتنے ہوں گے، مال بڑھ جائیگا اور قرآن کھول دیا جائیگا حتی کہ مؤمن، منافق، مرد، عورتیں، چھوٹا بڑا، غلام اور آزاد سبھی اسے حاصل کریں گے اور ایسا ہو گا کہ کہنے والا کہے گا:

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میری پیروی نہیں کرتے، حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے؟ (وہ کہے گا) یہ لوگ اس وقت تک میری پیروی نہیں کریں گے حتی کہ میں ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی نئی اختراع کروں، لہذا تم اپنے آپ کو اس کی بدعت سے بچائے رکھنا، اس کی بدعت ضلالت اور گمراہی ہو گی۔"

(سنن ابوداود:4611) (ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ یہاں ذکر کیا گیا ہے)

من گھڑت باتیں: عرف عام میں بعض باتیں بہت ہی مشہور ہو جاتی ہیں جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی لوگ اسے حکم سمجھ لیتے ہیں جیسے رات میں جھاڑو نہ لگانا، رات کے وقت ناخن نہ کاٹنا، بیت الخلاء میں سر ڈھاک کر جانا، موز کا چھلکا نہیں پھینکنا وغیرہ بعض نادان لوگ اسے سنت سمجھ بیٹھے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور اس کے متعلق سوالات بھی کرتے ہیں اسی کو بدعت کہتے ہیں ایسا ہی ایک واقعہ حدیث میں مذکور ہے، حسان بن ابراہیم کہتے ہیں، میں نے ہشام بن عروہ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ بیری کا (درخت) کاٹنا کیسا ہے؟

جبکہ وہ اپنے والد عروہ کے محل کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے؟ تو انہوں نے کہا: کیا تم یہ دروازے اور چوکھٹیں دیکھ رہے ہو، یہ عروہ کے بیریوں (کے درخت) سے بنائے گئے ہیں اور عروہ انہیں اپنی زمین سے کاٹ لیا کرتے تھے۔ اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حمید بن مسعدہ نے مزید فریا کہ ہشام نے کہا:

"اے عراقی! (یعنی حسان بن ابراہیم) تو تو میرے پاس ایک بدعت والی بات لایا ہے۔" اس نے کہا: میں نے جواب دیا کہ بدعت تو تمہاری طرف سے ہے، میں نے مکہ میں علماء سے سنا ہے جو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے آدمی پر لعنت کی ہے بیری (کے درخت) کو کاٹے۔ پھر مذکورہ بالا کے ہم معنی بیان کیا۔ (ابو داؤد: 5241)

بدعات کو فروغ دینے والے حکمران: مسلمانوں میں جو بھی بدعات پھیلی ہوئی ہیں اس کا ایک سبب حکمرانوں کے نظریات بھی ہیں اور ایک حقیقت پسندانہ مقولہ بھی ہے کہ

"النَّاسُ عَلَى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ"

"لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقہ پر رہتے ہیں"

بہت سے مسلمان بادشاہوں نے اپنے نفس کی خوشی کے لئے بہت سی بدعات وخرافات کو جنم دیا اور دین میں نئے نئے طریقوں ومراسم کو داخل کیا اور درباری ملا وعلمائے سو کی ایک جماعت نے بادشاہوں کی قربت اور انکی خوشنودی کے لئے ان کا تعاون کیا لہذا بدعات سماج کا حصہ بن گئیں جسے لوگوں نے دین سمجھ لیا اور اسی پر عمل پیرا ہوئے اس بات کی پیشن گوئی رسول اکرم ﷺ نے فرمادی تھی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میرے بعد کچھ ایسے لوگ بھی تمہارے معاملات کے نگران (اور تمہارے حکمران) ہوں گے جو سنت کی روشنی کو بجھائیں گے، بدعت پر عمل پیرا ہوں گے اور نماز کو (افضل) وقت سے دیر کر کے پڑھیں گے۔" میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں انھیں پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "اے ام عبد کے بیٹے! مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا کرو گے؟ جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے اس کی کوئی اطاعت نہیں۔" (سنن ابن ماجہ: 2865؛ السلسلۃ الصحیحۃ: 1743)

صحابہ کا بدعت اور اہل بدعت سے اجتناب: صحابہ اکرام بدعات وخرافات پر نہایت ہی باریک بین نظر رکھا کرتے اور امور بدعت سے بچتے اور اہل بدعت سے دوری اختیار کرتے تھے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے سیدنا نافع رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے کہا: فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "مجھے خبر ملی ہے کہ اس شخص نے، اگر اس نے واقعی بدعت اختیار کی ہے تو اسے میری طرف سے سلام نہ کہنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "میری امت میں" یا "اس امت میں صورتیں بگڑ جانے زمین میں دھنسنے اور پتھر برسنے کے واقعات ہوں گے۔"

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "یہ تقدیر کا انکار کرنے والوں میں ہوں گے۔" (سنن ابن ماجہ: 4061)

اس حدیث کی مناسبت سے آج بھی تقدیر کا انکار کرنے والے اور بعض احکام شریعت کا انکار کرنے والے عقل پرست امت میں موجود ہیں۔

دین کے نام پر عمل میں سختی بدعات کے ایجاد کا سبب: ہر مسلمان کو چاہئے کہ اعتدال کے ساتھ دین پر عمل کرتا رہے ایسا نہ ہو کہ جوش کے ساتھ عمل کیا اور پھر جذبات سرد پڑ گئے اور جوش کم ہوتا چلا گیا، اس طرح کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا لیکن کچھ دنوں بعد وہ راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں اور گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں انہی گمراہوں میں سے ایک بدعت بھی ہے جیسا کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ان کے بعض حسن اعمال کا تذکرہ ہے، انھیں رسول اللہ ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"ہر عبادت گزار میں حرص اور رغبت پیدا ہوتی ہے پھر ہر رغبت کے بعد آخر کار سستی اور کمی ہوتی ہے، اس کا انجام سنت کی طرف ہوتا ہے یا بدعت کی طرف، پس جس کا انجام سنت کی طرف ہوتا ہے وہ ہدایت پا جائیگا اور جس کا انجام کسی اور شکل میں ہوگا وہ ہلاک ہو جائیگا۔" (مسند احمد: 8905/8922)

آپ نے ایسے بہت سے نوجوانوں کا مشاہدہ کیا ہوگا جنہوں نے دین میں بہت سختی اختیار کی، اہل خانہ و خاندان پر دینی معاملات میں سختی کا رویہ اختیار کیا لیکن چند سالوں بعد وہ گمراہی کا شکار ہوئے اور دنیا داروں سے زیادہ بدتر ان کی صورتحال ہوئی اسی لئے دین پر بھی اعتدال کے ساتھ عمل کریں اور دین کی تمام باتوں کو اہل علم اور علماء ربانی سے رجوع کرتے ہوئے عمل پیرا ہوں ورنہ گمراہی یقینی ہوگی۔ یوں تو ہر زمانے میں نئی نئی بدعات جنم پاتی رہیں، بعض بدعات تو علمائے سو نے جنم دئے اور بعض بدعات اپنی مقصد کی تکمیل کے لئے بادشاہوں اور حکمرانوں نے جنم دئے اس کی لمبی تفصیل ہے، اہل علم نے اس ضمن نے بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں جس میں بدعات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے ان کتابوں کا مطالعہ عوام الناس کی رہنمائی کا موجب ہوگا بعض کتابیں یہ ہیں:

"کل بدعۃ ضلالۃ، اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات، بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، بدعت کی حقیقت وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالی امت مسلمہ کو قرآن وسنت پر چلنے اور بدعات واختراعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆



خاندان

شیخ محمد عزیر رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی وطن ضلع مدھوبنی (صوبہ بہار، ہندوستان) کے معروف مقام دیودھا کے قریب ایک مقام "بنکٹوا" ہے۔ آپ اس علاقے کے ایک معزز اور دینی و علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلسلہ نسب میں آٹھ پشت اوپر تک آباواجداد کے نام معلوم ہیں جو عرصہ دراز سے اس چھوٹی سی بستی "بلکٹوا" میں آباد اور پیشہ زراعت سے وابستہ تھے۔

آپ کے دادا مولانا رضاء اللہ دربھنگوی (متوفی 1941ء) ضلع مدھوبنی و دربھنگہ کے مشہور عالم اور اپنے علاقے میں بڑے اثر و نفوذ کے مالک تھے۔

علاوہ ازیں شیخ عزیر کے والد مولانا شمس الحق سلفی (وفات: 1986ء) اور چچا مولانا عین الحق سلفی (وفات:1982ء) بھی علم و فضل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ مولانا رضاءاللہ کی وفات کے بعد ان کے دونوں بیٹوں نے بھی اپنے علاقے میں بھرپور طریقے سے دعوتی اور اصلاحی کام کیے جس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

علاوہ ازیں شیخ عزیر رحمۃ اللہ علیہ کے نانا مولانا عبدالرحیم بیر بھومی (وفات:1960ء) بھی اپنے وقت کے نامور عالم اور بلند مرتبت محدث تھے۔ انہوں نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے اخذ و استفادہ کیا اور عمر بھر دعوتی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

ولادت

شیخ محمد عزیر کا آبائی وطن تو ضلع مدھوبنی کا ایک مقام بلکٹوا ہے، لیکن آپ کی ولادت صالح ڈانگہ ضلع مرشد آباد (مغربی بنگال، ہندوستان) میں ہوئی جہاں آپ کے والد مولانا شمس الحق سلفی بہ سلسلہ تدریس مقیم تھے۔ آپ کی صحیح تاریخ ولادت 11 جمادی الاولیٰ 1376ھ / 15 دسمبر 1956ء ہے، لیکن سرکاری کاغذات میں یکم اپریل 1959ء مندرج ہے۔

ابھی آپ چند ماہ ہی کے تھے کہ آپ کے والد مدرسہ اسلامیہ صالح ڈانگہ سے مئی 1957ء میں مدرسہ فیض عام مئو تشریف لے گئے، جہاں مئی 1966ء تک مسلسل 10 سال تدریسی و دعوتی فرائض انجام دیتے رہے اور آپ بھی انہی کے ساتھ وہیں فروکش رہے۔

تحصیل علم

شیخ محمد عزیر کی ابتدائی تعلیم 1966ء میں مدرسہ فیض عام میں شروع ہوئی اور پھر آپ نے ہند و بیرونِ ہند کے مختلف مدارس و جامعات میں اپنے عہد کے نامور اساتذہ سے علوم و فنون کی تحصیل کی۔ شیخ عزیر شمس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انٹرویو میں اپنے زمانہ طالب علمی کے مختلف مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے:

"میری ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض عام مئو میں 1966ء میں شروع ہوئی۔ درجہ پنجم تک پڑھنے کے بعد ایک سال تک فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھی۔

بعد ازاں دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا اور وہاں عربی کی تعلیم شروع کی۔ اگلے سال والد صاحب یہاں سے استعفادے کر مرشد آباد چلے گئے تو مدرسہ دار الحدیث مرشد آباد میں دوسری جماعت مکمل کی۔ جب جامعہ سلفیہ بنارس میں شیخ الحدیث (مولانا عبید اللہ رحمانی) صاحب نے مولانا آزاد رحمانی کے توسط سے والد صاحب کو یہاں بلوایا تو 1969ء میں تیسری جماعت سے جامعہ رحمانیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ چوتھی جماعت کے بعد عالمیت کے چار سال اور فضیلت کے دو سال جامعہ سلفیہ بنارس میں مکمل کر کے 1976ء میں فراغت حاصل کی۔

بعد ازاں فروری 1978ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں كلية اللغة العربية میں داخلہ لیا۔

1981ء میں کلیہ کی تعلیم مکمل ہوئی تو ماجستیر (ایم فل) کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ دونوں جگہ داخلہ ملا۔ میں نے ام القریٰ یونیورسٹی کا انتخاب کیا اور 1985ء میں ماجستیر کی سند حاصل کی۔

ماجستیر میں مقالے کا موضوع تھا:

"التأثير العربي في شعر حالي ونقده"

اس مقالے میں مسدس حالی کا میں نے عربی میں ترجمہ بھی کیا۔ پی ایچ ڈی میں میرا موضوعِ بحث "الشعر العربي في الهند: دراسة نقدية" تھا۔ 1990ء میں جب میں نے مقالہ پیش کرنا چاہا تو سپروائزر سے اختلاف ہو گیا، جس کے سبب میرا مناقشہ نہ ہو سکا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے محروم رہا۔ بہر حال میری تعلیم یہیں تک ہے۔"

اساتذۂ کرام

شیخ محمد عزیر نے ہندوستان اور سعودی عرب میں دورانِ تعلیم جن اساتذہ کرام سے تحصیلِ علم کی، ذیل میں ان کے نام ملاحظہ فرمائیے:

☆ہندوستانی اساتذہ

1۔ مولانا شمس الحق سلفی (والد محترم)

2۔ مولانا عین الحق سلفی (عم محترم)

3۔ مولانا نور عظیم ندوی

4۔ مولانا محمد رئیس ندوی

5۔ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی

6۔ مولانا عابد حسن رحمانی

7۔ مولانا عبدالمعید بنارسی

8۔ مولانا عبدالوحید رحمانی

9۔ مولانا عبدالسلام رحمانی

10۔ مولانا عزیز احمد ندوی

11۔ مولانا قرۃ العین اعظمی

12۔ مولانا عبدالسلام طیبی

13۔ مولانا عبدالسلام بن ابی اسلم مدنی

14۔ مولانا عبدالرحمن ڈوکمی

15۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری

16۔ مولانا انیس الرحمن اعظمی

17۔ مولانا عبدالحنان بستوی

18۔ شیخ ہادی الطالبی۔ یہ ایک عرب استاد تھے جو جامعہ سلفیہ بنارس میں مدرس تھے۔

19۔ ماسٹر منظور احمد

20۔ ماسٹر آفتاب

21۔ ماسٹر شمس الدین

جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کے اساتذہ:

22۔ ڈاکٹر عبدالعظیم علی الشناوی

23۔ عزالدین علی السید

24۔ احمد السید غالی

25۔ محمد قناوی عبداللہ

26۔ محفوظ ابراہیم فرج

27۔ عبدالعزیز محمد فاخر

28۔ ابراہیم محمد عبدالحمید ابو سکین

29۔ محمد احمد العزب

30۔ احمد جمال العمری

31۔ صالح احمد بیلو

32۔ طٰہ ابو کریشہ

33۔ محمد بیلو احمد ابو بکر

34۔ عباس محجوب

35۔ عبدالباسط بدر

36۔ علی ناصر فقیہی

37۔ شیخ جبران

جامعہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) کے اساتذہ:

38۔ ڈاکٹر حسن محمد باجودہ

39۔ محمود حسن زینی

40۔ عبدالحکیم حسان

41۔ ڈاکٹر احمد مکی الانصاری

42۔ علی محمد العماری

43۔ عبدالعزیز الکفراوی

44۔ لطفی عبدالبدیع

45۔ عبدالسلام فہمی

36۔ نعمان امین طٰہ

47۔ عبدالعزیز کشک

علمی خدمات:

شیخ عزیر شمس رحمہ اللہ ان تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد وطن لوٹ آئے، لیکن کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ارضِ حرمین میں قیام کی سبیل پیدا کر دی اور فروری 1999ء میں مکہ مکرمہ واپس آگئے جہاں آپ نے کئی علمی اداروں سے منسلک ہو کر کام کیا جن میں جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ، مجمع الملک فہد مدینہ منورہ اور اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ شامل ہیں۔ آپ 1999ء ہی سے مستقل طور پر مکہ مکرمہ کے مشہور علمی و تحقیقی ادارے "دار عالم الفوائد" سے وابستہ ہوئے جس میں آپ نے امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور علامہ معلمی رحمہم اللہ کی بہت سی کتابوں کی تحقیق و تدوین کے فرائض سرانجام دیے۔

مکہ اور مدینہ کے دورانِ قیام میں شیخ عزیر شمس نے مختلف ممالک کا علمی و مطالعاتی سفر بھی کیا جہاں ان ملکوں کی لائبریریوں، یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں کو دیکھا اور نامور اہلِ علم اور محققین و مصنّفین سے ملاقاتیں کیں۔ ان ملکوں میں پاکستان، مصر، اردن، شام، ترکی، فرانس، برطانیہ، مراکش، ترکمانستان، کویت، بحرین اور امارات شامل ہیں۔ نیز ان میں سے کئی ممالک کی مختلف کانفرنسوں اور سیمیناروں میں مقالات پیش کیے اور مختلف موضوعات پر لیکچر بھی دیے۔

اب ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ تاریخی ترتیب سے شیخ محمد عزیر رحمہ اللہ کی علمی خدمات کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جس میں عربی اردو، دونوں زبانوں میں آپ کی تحقیقات و مقالات کا ذکر شامل ہے۔

1۔ رفع الالتباس عن بعض الناس، للعلامة شمس الحق العظيم آبادي، تحقیق۔۔۔ بنارس 1976م

2۔ حياة المحدث شمس الحق وأعماله، تالیف: بنارس 1979م

3۔ رد الإشراك، للشاہ إسماعيل بن عبد الغني الدهلوي، تحقیق۔۔۔ لاہور 1983م

4۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی۔ حیات اور خدمات۔ تالیف۔۔۔ کراچی 1984م

5۔ تاريخ وفاة الشيوخ، لأبي القاسم البغوي تحقیق۔۔۔ ممبئی 1988م

6۔ فتاویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی تحقیق۔۔۔ کراچی 1989م

7۔ روائع التراث۔۔۔ [مجموعة عشر رسائل نادرة] تحقیق۔۔۔ ممبئی 1991م

8۔ غاية المقصود شرح سنن أبي داود، للعظيم آبادي [1-3]، تحقیق بالاشتراک۔۔۔ کراچی 1993م

9۔ بحوث و تحقيقات للعلامة عبد العزيز الميمني

[1-2]، تحقیق۔۔۔بیروت 1995م

10۔ استدراک أم المؤمنین عائشة علی الصحابة، لأبي منصور البغدادي، تحقیق۔۔۔ ممبئی 1996م

11۔ قاعدة في الاستحسان، لابن تیمیة بخطہ

تحقیق۔۔۔۔ مکة المکرمة 1999م

12۔ الجامع لسیرة شیخ الإسلام ابن تیمیة

بالاشتراک۔۔۔۔ مکة المکرمة 1999م

13۔ تقیید المهمل وتمییز المشکل، لأبي علي الجیاني [1-3]

تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 20000م

14۔ جامع المسائل لابن تیمیة [1-7]

تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2002م

15۔ إتحاف النبیه بما یحتاج إلیه المحدث والفقیه، للشاہ ولي الله الدهلوي۔۔۔ تعریب۔۔۔ لاہور 2003م

16۔ الرسالة التبوکیة لابن القیم۔۔۔ تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2003م

17۔ تنبیه الرجل العاقل، لابن تیمیة۔۔۔ تحقیق بالاشتراک، مکة المکرمة 2005م

18۔ جواب الاعتراضات المصریة علی الفُتیا الحمویة، لابن تیمیة، تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2009م

19۔ الفوائد، لابن القیم، تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2009م

20۔ روضة المحبین، لابن القیم۔۔۔ تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2022م

21۔ إغاثة اللهفان في مصاید الشیطان، لابن القیم [1-2]، تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2012م

22۔ الکلام علی مسألة السماع، لابن القیم

تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2012م

23۔ مجموع رسائل الفقه، لعبد الرحمن المعلمي [1-3]

تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2014م

24۔ مجموع رسائل أصول الفقه، للمعلمي۔۔۔[5 رسائل]، تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2014م

25۔ التنکیل بما في تأنیب الکوثري من الأباطیل، للمعلمي [1-2]

تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 2014م

26۔ تحقیق الکلام في المسائل الثلاث، للمعلمي

تحقیق بالاشتراک۔۔۔۔ مکة المکرمة 2014م

27۔ معجم الشواهد الشعریة، للمعلمي

تحقیق۔۔۔ مکة المکرمة 2014م

28۔ شرح العمدة، لابن تیمیة [1-5]

تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 2016م

29۔ أعلام الموقعین عن رب العالمین لابن القیم [1-6] تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 2017م

30۔ زاد المعاد في هدي خیر العباد لابن القیم [1-7]

تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 2018م

31۔ شرح حدیث إنما الأعمال بالنیات، لابن تیمیة بخطہ، تحقیق۔۔۔ الکویت 2018م

32۔ مدارج السالکین في منازل السائرین، لابن القیم [1-4]

تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 2019م

33۔ أحکام أهل الذمة، لابن القیم [1-2]

تحقیق بالاشتراک۔۔۔ مکة المکرمة 2019م

34۔ مؤلفات الإمام ابن القیم: نسخها الخطیة وطبعاتها

تالیف۔۔۔۔ مکة المکرمة 2019م

35۔ الفهارس العلمیة لآثار الإمام ابن قیم الجوزیة [1-2]، تالیف: بالاشتراک۔ مکة المکرمة 2019م

36۔ مقالات محمد عزیر شمس [اردو]

تالیف۔۔ گوجرانوالہ 2020م

سطورِ بالا میں ہم نے شیخ مرحوم کی مطبوعہ تحریرات و تحقیقات کا تذکرہ کیا ہے، علاوہ ازیں آپ نے اردو و عربی زبان میں مختلف موضوعات پر متعدد مضامین بھی تحریر کیے ہیں جو عربی اردو رسائل و جرائد: "مجلة الجامعة السلفیة" (بنارس)، "مجلة المجمع العلمي الهندي" (علی گڑھ)، "مجلة مجمع اللغة العربیة" (دمشق)، "معارف" (اعظم گڑھ)، "برہان" (دہلی)، "جامعہ" (دہلی)، "تحقیقات اسلامی" (علی گڑھ)، "ترجمان" (دہلی) اور "محدث" (بنارس) وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ نیز آپ نے مذکورہ بالا تصنیفات و تحقیقات کے علاوہ بھی متعدد رسائل کی تحقیق و تدوین کر رکھی ہے اور مختلف موضوعات پر عربی اردو زبان میں لکھا ہے جو ہنوز غیر مطبوع ہے۔ امید کہ یہ سبھی کچھ جلد ہی اشاعت پذیر ہو گا اور قارئین ان علمی و تحقیقی نگارشات سے مستفید ہوں گے۔

اپنے آخری ایام میں شیخ عزیر رحمہ اللہ مندرجہ ذیل اہم علمی کاموں کی تکمیل میں مصروف رہے:

1۔ معیار الحق للشیخ نذیر حسین الدہلوی۔۔۔ تعریب و تحقیق

2۔ مجموعہ رسائل علامہ محمد حیات سندھی۔۔۔ جمع و تحقیق

3۔ مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جمع و تحقیق

4۔ مجموعہ رسائل علامہ شمس الحق عظیم آبادی۔ جمع و تحقیق

5۔ کتاب المواعظ لابی عبید۔ تحقیق

6۔ فتاوی ورسائل علامہ حسین بن محسن الانصاری الیمانی

7۔ رسائل و فتاوی میاں نذیر حسین محدث دہلوی۔

علاوہ ازیں راقم الحروف آپ کے اردو مقالات کی دوسری جلد بھی مرتب کر رہا ہے جو جلد ہی ان شاء اللہ قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اسی طرح آپ کے محاضرات کی ایک جلد بھی مرتب ہو چکی ہے جو جلد ہی شائع کی جائے گی۔

وفات: آپ کی وفات 15 اکتوبر بروز ہفتہ 2022ء بعد نماز عشاء مکہ مکرمہ میں ہوئی۔



کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾(سورۃ الدھر:8)

”اور (نیک لوگ) اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ

لَمَّا وَرَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَقِيلَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ، فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ يَتَكَلَّمُ أَنْ قَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.»(سنن ترمذی، أبواب صفة القيامة، باب منه: 2485)

”رسول اللہ ﷺ جس وقت (مدینہ) تشریف لائے تو لوگ جوق درجوق آپ ﷺ کے پاس حاضر ہونے لگے، اور (سب کو) بتایا جانے لگا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔“

راوی کہتے ہیں کہ ”میں بھی لوگوں کے ساتھ ہو لیا تاکہ میں بھی آپ ﷺ کو دیکھ کر آؤں، جب میں نے خوب اچھی طرح سے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا دیدار کیا تو میں ایک ہی بات سمجھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سب سے پہلی بات جو آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے میں نے سنی (وہ یہ تھی:) اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، (ضرورت مندوں کو) کھانا کھلاؤ، رشتے داری کو ملاؤ، رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، (ان تمام اعمال کے صلے میں) تم جنّت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔“

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ.» (صحیح بخاری: 3046)

”بھوکے کو کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو آزاد کراؤ۔“

سیدنا براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا:

يَا رَسُولَ اللهِ! عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: «لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ، لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ، أَعْتِقِ النَّسَمَةَ، وَفُكَّ الرَّقَبَةَ.» قَالَ: أَوَ لَيْسَتْ وَاحِدًا؟ قَالَ: «لَا، عِتْقُ النَّسَمَةِ أَنْ تَنْفَرِدَ بِعِتْقِهَا، وَفَكُّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِينَ فِي ثَمَنِهَا، وَالْمِنْحَةُ الْوَكُوفُ، وَأَلْقِ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الظَّالِمِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ فَأَطْعِمِ الْجَائِعَ، وَاسْقِ الظَّمْآنَ، وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ.» (مسند أحمد: 299/4- السنن الكبرى للبيهقي: 273/10)

”اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنّت میں لے جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تُو خطبے کو مختصر کرے گا تو مانگنے سے بچ سکتا ہے، رُوح کو آزاد کر اور گردن کو بھی آزادی دلا۔ اس نے کہا: یہ دونوں (یعنی رُوح اور گردن کو آزاد کرنا) ایک ہی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”نہیں، رُوح کو آزاد کرنا یہ ہے کہ تُو اکیلا ہی کسی کو آزاد کرائے اور گردن کو آزاد کرانے کا مطلب یہ ہے کہ تُو اس کی قیمت (کی ادائیگی) میں تعاون کرے، زیادہ دودھ دینے والی بکری کا عطیہ کر، ظالم رشتے دار سے ملتا جلتا رہ، لیکن اگر تُو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسے کو پانی پلا، نیکی کرنے کا کہہ اور برائی سے روک، اور اگر اس کی بھی تجھ میں طاقت نہیں ہے تو اپنی زبان سے سوائے اچھی بات کے اور کچھ مت بول۔“

سیدنا سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الضَّالَّةِ مِنَ الْإِبِلِ تَرِدُ حَيًّا خَالِيًا قَدْ لُطْتُهَا لِإِبِلِي، هَلْ لِي مِنْ أَجْرٍ فِيمَا أَسْقَيْتُهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرَّى أَجْرٌ.» (سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب فضل صدقة الماء: 3686- سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2152)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے گمشدہ اونٹ کے بابت پوچھا کہ اگر وہ میرے حوض پر آجائے جو میں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے بنایا ہے، تو کیا اسے پانی پلانے پر مجھے ثواب ملے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! حرارت والی ہر ذی رُوح چیز (کی خدمت کرنے) میں ثواب ملتا ہے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ:«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ.» (صحيح بخاری: 2363)

"اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں (کو کھلانے پلانے) میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تازہ جگر (جان کی خدمت) میں اجر ملتا ہے۔"

مذکورہ بالا تمام احادیث کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے حکم اور اس کے اجر وثواب سے متعلق ہیں، یہ حکم صرف محتاج ومسکین کو کھانا کھلانے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی بھی دعوت وغیرہ کرنے سے یہی اجر وثواب ملتا ہے، بشرطیکہ نیّت فقط رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ نیز اس میں تمام جاندار شامل ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان، ہر ایک سے نیکی کا یہ معاملہ کرنا باعثِ خیر ہے۔

تحائف کا تبادلہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَلَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ.» (صحیح بخاری، کتاب الهدية، باب القليل من الهبة: 2568)

"اگر مجھے بازو (کا گوشت) تحفے میں دیا جائے تو بھی میں قبول کرلوں گا اور اگر مجھے پائے (کے گوشت) کی دعوت دی جائے تو میں اسے بھی قبول کرلوں گا۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَا بِفِرْسِنِ شَاةٍ.» (صحیح بخاری، كتاب الهبة، باب الهبة وفضلها والتحريض عليها:2566 -صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة، ولو بالقليل ولا تمتنع من القليل لاحتقاره: 1030)

"اے مسلمان عورتو! کوئی بھی عورت اپنی ہمسائی (کو تحفہ دینے) کے لیے (کسی بھی چیز کو) ہرگز حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ بکری کا کھُر ہی ہو۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَهَادُوا تَحَابُّوا.» (السنن الكبرى للبيهقي: 169/6- الأدب المفرد للبخاري: 594- إرواء الغليل للألباني:1601)

"آپس میں تحائف دیا لیا کرو، اس سے باہم محبت بڑھتی ہے۔"

باہم تحائف کے تبادلے سے محبت بڑھتی ہے، تحفے میں گراں قیمت چیز دینا ہرگز ضروری نہیں ہے اور بے جا تکلفات واسراف سے تو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے ہی منع فرمایا ہے، اس لیے ان کو اپنے آپ پر لازم کرکے اس عظیم نیکی سے محروم نہیں ہونا چاہیے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اگر بکری کا ایک کھُر بھی بہ طورِ تحفہ دینا کمتر نہیں ہے تو پھر چھوٹی سے چھوٹی کسی بھی چیز کو تحفے میں کرنے میں عار نہیں سمجھنی چاہیے۔

مال ضائع کرنے کی ممانعت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

النَّفَقَةُ فِي غَيْرِ حَقٍّ هُوَ التَّبْذِيرُ.

(السنن الكبرى للبيهقي: 63/6)

"جہاں خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو، وہاں خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔"

ورّاد بیان کرتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ ثَلَاثًا: عُقُوقَ الْوَالِدَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَلَا وَهَاتِ، وَنَهَى عَنْ ثَلَاثٍ: قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَإِلْحَافِ السُّؤَالِ.»

(صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر: 5975-صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهي عن منع وهات: 1715)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کو حرام کیا ہے: ماؤں کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا اور ناحق مطالبہ کرنا اور تین کاموں سے منع فرمایا ہے: قیل وقال، مال ضائع کرنے اور لپٹ کر مانگنے سے۔"

مال ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسراف وتبذیر سے کام نہ لیا جائے، اسراف سے مراد یہ ہے کہ کسی کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے اور تبذیر اسے کہتے ہیں کہ ایسے کام میں خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہو۔

☆☆☆

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بچے سے دعا کی درخواست

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی ایک گلی میں ایک بچے کو چلتے دیکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نیچے جھک کر بچے سے کہا:

"بیٹے! اللہ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

امیر المؤمنین! آپ ایک بچے سے دعا کرنے کو کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ خود عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں!؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میں اس لیے اس سے دعا کی درخواست کر رہا ہوں کیونکہ یہ بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا اور ابھی اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہے۔"

(دلیل السائلین از اسماعیل ابی داؤد: ص257)

☆☆☆☆



حدیث نمبر:41

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ : «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِن إِنَاءٍ وَاحِدٍ كِلاَنَا جُنُبٌ، وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ، وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ، فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.»

[رواه البخاري، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض، برقم 301،300،299، ومسلم، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، وغسل أحدهما بفضل الآخر، برقم 321، ومسلم، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار، برقم 293، ومسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، وطهارة سؤرها، والاتكاء في حجرها، وقراءة القرآن فيه، برقم 8- (297)]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا: میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے نہالیا کرتے تھے جبکہ ہم دونوں جنبی ہوتے آپ مجھے حکم دیتے تو میں تہبند باندھ لیتی آپ میرے ساتھ لیٹ جاتے اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی آپ اپنا سر میری طرف نکالتے اس حال میں کہ آپ حالت اعتکاف میں ہوتے تو میں اسے دھوتی اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی۔(بخاری و مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: كُنْتُ اَغْتَسِلُ: میں نہایا کرتی تھی۔

2: كِلَان: دونوں۔

3: فَكَانَ يَأْمُرُنِي: آپ مجھے حکم کرتے تھے۔

4: فَاَتَّزِرُ: تو میں تہبند باندھ لیتی۔

5: يُبَاشِرُنِي: مجھ سے مباشرت کرتے۔

6: يُخْرِجُ رَأْسَهُ: وہ (آپ) اپنا سر نکالتے۔

6: مُعْتَكِفُ: اعتکاف بیٹھنے والا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ خاوند بیوی کا اکھٹے ایک برتن سے غسل کرنا جائز ہے۔

2۔ جنبی اور حائضہ کا جسم محض جنابت یا حیض کی وجہ سے پلید نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا پورا جسم اور لعاب پاک ہے۔

3۔ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنا جائز ہے اور مباشرت کا معنی جماع کے علاوہ ہے حائضہ عورت سے جماع کرنا حرام ہے۔

4۔ حائضہ عورت کا مسجد میں ٹھہرنا منع ہے۔ البتہ مسجد سے باہر رہ کر کوئی چیز وغیرہ مسجد سے پکڑنا، لینا، دینا جائز ہے۔ اسی طرح ضرورت کے تحت مسجد سے گذرنا بھی جائز ہے۔

5۔ حائضہ عورت کا خاوند کی خدمت کرنا جیسے بالوں میں کنگی وغیرہ کرنا یا خاوند کا بیوی کی گود وغیرہ میں سر وغیرہ رکھنا جائز ہے۔

6۔ حیض کا خون پلید ہے۔ کپڑے یا جسم کے جس حصے پر لگ جائے اس کو دھونا ضروری ہے۔ اور حیض کے خون کو حتی المقدور جسم اور کپڑے سے لگنے سے بچانا چاہیے۔

7۔ خاوند بیوی کا آپس میں پیار و محبت سے رہنے کی فضیلت۔

8۔ اعتکاف کی جگہ مسجد ہے۔

9۔ حالت اعتکاف میں غسل کرنا، کنگی وغیرہ کرنا، بیوی سے گفتگو کرنا، بیوی سے خدمت لینا وغیرہ جائز ہے۔ البتہ حالت اعتکاف میں عام دنیاوی گفتگو کی کثرت سے بچے۔

حدیث نمبر:42

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ : «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَّكِئُ فِي حِجْرِي، وَأَنَا حائِضٌ، فَيَقْرَأُ الْقُــرْآنَ.»

[رواه البخاري، كتاب الحيض، باب قراءة الرجل في حجر امرأته وهي حائض، برقم 297، ورقم 7594، ومسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها، والاتكاء في حجرها، وقراءة القرآن، واللفظ له، برقم 301]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میری گود میں ٹیک لگالیا کرتے تھے اور میں حائضہ ہوتی آپ اس صورت میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: يَتَّكِئُ: وہ (آپ) ٹیک لگاتے۔

2: حِجْرِيْ: میری گود۔

2: يَقْرَأُ الْقُــرْآنَ: وہ (آپ) قرآن پڑھتے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ بستر پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا، لیٹ کر تلاوت

کرنا، بیوی کی گود میں لیٹ کر تلاوت کرنا، یہ سبھی امور جائز ہیں۔

2۔حائضہ عورت کا ظاہری جسم حالت حیض میں نجس (پلید) نہیں ہے بلکہ پاک ہے ۔ اسی طرح حائضہ عورت کو صرف نماز اور روزہ سے منع کیا گیا ہے اس کے علاوہ عبادات مثلاً ذکر و اذکار، دعا، قران مجید کی تلاوت وغیرہ جائز ہے۔

3۔حائضہ عورت کھانے پینے وغیرہ سے پہلے بسم اللہ اور اخر میں الحمد للہ پڑھنا اور مسنون اذکار کرنا اسی طرح جائز و سنت ہیں جس طرح عام حالات میں تھے۔

حدیث نمبر:43

عَن مُعَاذَةَ، قَالَتْ: «سَأَلْتُ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقُلْتُ : مَا بَالُ الحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلاَ تَقْضِي الصَّلاةَ؟ فَقَالَتْ : أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ فَقُلْتُ : لَسْتُ بِحَرُورِيَّةٍ، وَلَكِنِّي أَسْأَلُ، فَقَالَتْ : كَانَ يُصِيبُنَا ذَلِكِ، فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلاَ نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلاةِ.»[رواه البخاري، كتاب الحيض، باب لا تقضي الحائض الصلاة، برقم 321، ومسلم، كتاب الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، واللفظ له، برقم 335]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ معاذہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ میں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزوں کی قضاء دیتی ہے اور نماز کی قضاء نہیں دیتی؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو حروریہ (خوارج) میں سے ہے؟ میں نے عرض کی نہیں میں حروریہ (خوارج) میں سے نہیں ہوں میں تو مسئلہ دریافت کرتی ہوں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ حیض ہمیں بھی آتا تھا اور ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نوٹ: یہ سیاق مسلم کا ہے بخاری شریف میں فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ کے الفاظ نہیں

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: مَا بَالُ: کیوں یا کیسے۔

2: تَقْضِي: وہ (عورت) قضاء دیتی ہے۔

3: الصَّوْمَ: روزہ۔

4: حَرُوْرِيَّةٌ: حرورا بستی میں رہنے والی مراد خوارج ہیں: حرورا نامی بستی کوفہ کے قریب واقع ہے خوارج کا پہلا گروہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو کر یہاں آباد ہوا تھا۔

5: كَانَ يُصِيبُنَا ذَالِكَ: ہمیں بھی یہ لاحق ہوتا۔

6: نُؤْمَرُ: ہمیں حکم دیا جاتا۔

7: قَضَاءُ الصَّوْمِ: روزے کی قضاء۔

8: قَضَاءُ الصَّلَاةِ: نماز کی قضاء۔

مفہوم الحدیث

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت کو روزوں کی قضاء کا حکم ہے لیکن نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں؟ آپ نے میرا سوال سنتے ہی ارشاد فرمایا: کہیں تیرا تعلق خارجیوں سے تو نہیں میں نے عرض کیا نہیں میں خارجی نہیں صرف مسئلہ دریافت کرنے کے لیے یہ سوال کیا ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب ہمیں حیض کا عارضہ لاحق ہوتا تو ہمیں بھی یہی حکم دیا جاتا ہے کہ روزوں کی قضاء دیں اور نمازوں کی قضاء نہ دیں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ مسئلہ معلوم نہ ہو تو عالم سے پوچھنا۔

2۔ عالم کا سائل کے سوال کا جواب دینے سے پہلے وضاحت کے لیے اہم چیز کے متعلق مزید پوچھنا چاہیے خصوصاً اگر اس طرح کا اعتراض یا عمل گمراہ فرقے کرتے ہوں۔

3۔ عالم کو چاہیے کہ جواب عقل سے دینے کے بجائے قران وحدیث سے دے اور اگر کوئی مسئلہ قران وحدیث سے صراحت کے ساتھ ثابت نہ ہو تو وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے۔

4۔ سائل اگر مسلمان ہو تو اس کو ایسے مسائل جن میں قران وحدیث کی نصوص صریح ہوں ان میں قرآن وحدیث کی نصوصِ کو کافی ووافی سمجھے کیونکہ یہ مسلمان ایمان کا تقاضا ہے۔

5۔ حائضہ عورت حالت حیض میں چھوڑے گئے فرض روزوں کی قضاء دے گی۔ لیکن فرض نمازوں کی قضاء نہیں دے گی۔ اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پہلو واضح ہے کیونکہ چند دنوں کی نمازوں کی قضاء انتہائی مشکل ہے مگر روزوں کی قضاء آسان ہے۔

6۔ خوارج حیض کے دنوں میں چھوڑی گئی نمازوں کی قضاء کے قائل ہیں۔

7۔ خوارج حدیث رسول ﷺ کا انکار کرتے تھے موجودہ دور کے منکرین حدیث اور بہت سارے بدعی اور تقلیدی فرقے جو حیلے حدیث کو رد کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں ان کا دارومدار اکثر خوارج اور دوسرے گمراہ فرقوں کے قواعد وضوابط پر ہے۔

8۔ اسلام کی تعلیم سراسر رحمت ہے۔

9۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یہ کہتے کہ ہمیں حکم دیا گیا تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺم کا حکم دینا ہے۔

10۔ جس طرح قرآن مجید شریعت ہے بالکل اسی طرح حدیث بھی شریعت ہے، حائضہ عورت کو روزوں اور نمازوں کی قضاء کے متعلق حکم قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ حکم کی اتباع میں دونوں کا درجہ برابر ہے۔



5۔ چند وفود کا تذکرہ

یہ 1928ء دسمبر کی بات ہے، ہجری لحاظ سے شعبان کا مہینہ تھا کہ بیروت کی امریکی یونیورسٹی سے 30 پاکستانی طلبہ مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے آئے۔ ان میں 6 خواتین بھی تھیں، یہ لوگ جامعہ دیکھنے بھی چلے آئے۔ شیخ محمد ناصر العبودی (رجسٹرار جامعہ) نے اپنے آفس میں ان کی آؤ بھگت کی، انہوں نے جامعہ کی سادی سی عمارتیں دیکھ کر اور اسکول کی طرز پر درسگاہوں کو دیکھا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ شیخ نے اچھا کیا انہیں چائے پلا کر رخصت کیا۔

پچھلے سال یعنی ہماری اپنی آمد کے پہلے سال میں ایسا ہی ایک وفد ایران سے بھی آیا تھا اور جس طرح ہندوپاک سے طلبہ کے وفود جامعہ میں داخلہ کے لیے آئے تھے، ایسے ہی ایران نے بھی 15، 20 طلبہ کی ایک کھیپ داخلے کی غرض سے روانہ کی تھی۔ یہ طلبہ انگریزی لباس میں ملبوس تھے، تہران یونیورسٹی کی ہوا کے عادی تھے، شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے انہیں بہاؤ الدین ہوٹل میں ٹھہرایا۔ یہ مدینہ کا اس وقت واحد ہوٹل تھا جو معزز مہمانوں کی پذیرائی کے لیے کافی مناسب تھا۔ مسجد نبوی سے ہوتے ہوئے یہ طلبہ جامعہ لائے گئے۔ انہوں نے جو جامعہ کے در ودیوار دیکھے، صرف مرد طلبہ کو کلاسوں میں دیکھا کہ جہاں دور دور تک کسی خاتون کا نام ونشان نہ تھا، تو ایسے گھبرائے کہ تین دن بھی قیام نہ کر پائے، شیخ بھی خوب سمجھ گئے کہ مغربی ذہن رکھنے والے ان نوجوانوں کا گذارا یہاں ناممکن رہے گا، اس لیے انہیں واپسی کے ٹکٹ دے کر ایران واپس روانہ کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک طالب علم نے یہاں رہنا گوارا کیا اور وہ بھی اس لیے کہ وہ بلوچستان سے تعلق رکھتا اور اہل سنت میں سے تھا۔

16 اپریل 1664ء (ذوالحجہ 1383ھ) کے دن دمشق یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ کا ایک وفد وارد ہوا۔ یہ لوگ صرف جامعہ دیکھنے کے لیے آئے تھے، استقبالیہ ہال میں ان کی پذیرائی کی گئی۔ جامعہ کی طرف سے ڈاکٹر فائض نے خطاب کیا، اس کے بعد جامعہ دمشق کے ڈاکٹر ہیثم کا خطاب تھا جو کیمیاء سے نسبت علم رکھتے تھے، پھر شیخ عطیہ محمد سالم نے انہیں جامعہ کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بتایا۔ چند اور بھی خطاب ہوئے۔ میں نے ان کی تقاریر میں دینی روح اور اسلامی جذبات کو موجزن دیکھا اور بعد میں چند طلبہ سے ملاقات بھی کی۔

6۔ جامعہ اور حرم نبوی کے دروس اور لیکچر

19 نومبر (3 رجب): شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے طلب علم کے عنوان سے لیکچرز ہال (صالۃ المحاضرات) میں خطاب کیا۔ یہ امسال کا پہلا عمومی لیکچر تھا اور پھر جامعہ میں جو مختلف نوادی (جمعیات) تشکیل دی گئی تھیں، ان کے سربراہ اساتذہ نے اپنی اپنی جمعیت کے مقاصد اور لائحہ عمل کو بیان کیا۔

28 نومبر: جمعیہ صحت کے تحت جامعہ کے طبیب نے فرسٹ ایڈ کے بارے میں مفصل لیکچر دیا، جس میں جسم کے زخمی ہونے، جل جانے یا کسی زہریلے کیڑے کے کاٹنے کا ابتدائی علاج بتایا گیا تھا۔

یکم دسمبر: حرم نبوی میں شیخ عبد القادر شیبۃ الحمد جو ہمارے حدیث کے استاد تھے، حرم میں ان کے درس تفسیر کو سنا۔

22 دسمبر (6 شعبان): عشاء کے بعد شیخ محمد محمود الصواف نے خطاب کیا، عنوان تھا: ''اسلام کے خلاف استعمار کی چالیں''، بہت ہی قیمتیں باتیں کہیں، قومیت کا نعرہ بلند کرنے والوں کا رد کیا، قومیت کے عناصر جیسے نسل، زبان، تاریخ، وطن اور مشترک مصلحتیں وغیرہ کا تذکرہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک کا رد بیان کیا اور پھر سوالوں کے جوابات بھی دیئے اور پھر مستعمرین (نو آباد کار) کے چند حربوں کا بھی تذکرہ کیا جیسے یورپ میں اتوار کے مدارس کا قیام، یونیسکو کے درسی وتدریسی اور مطالعاتی پروگرام اور افریقہ میں عیسائیت کی تبلیغ۔

25 دسمبر: ظہر کے بعد جامعہ کی مسجد میں، مجھے سید داؤد غزنوی کی زندگی کے بارے میں خطاب کرنے کا موقع ملا، ان کی وفات 16 دسمبر کو ہوئی تھی، شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے میری تقریر کے بعد اپنے تاثرات بیان کیے اور کہا کہ میری یہ تقریر مزید اضافوں کے ساتھ شائع کی جائے اور اس ضمن میں، میں نے عصر کے بعد شیخ شریف (ثانویہ کے استاد) سے ملاقات کی تاکہ سید غزنوی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر سکوں۔

26 دسمبر: شیخ عطیہ محمد سالم (طلبہ کی تعلیمی امور کے انچارج) نے ''اسلام اور طب جدید'' کے عنوان سے خطاب کیا جس میں خلق جنین، حمل کے مختلف مراحل، دل کی حرکت اور اس سے متعلق وظائف کی تشریح کی، بتایا کہ ایک انسان کو پانی کے کتنے لیٹر درکار ہوتے ہیں۔

فروری میں مکہ مکرمہ میں جانا ہوا، جہاں خطبہ جمعہ کے بعد شیخ محمد محمود الصواف کا خطاب سنا، مارچ کے (رمضان) کے وسط میں شیخ عبد القادر کے درس تفسیر کو پابندی سے سننا شروع کیا، ان کے دروس سورہ آل

عمران سے متعلق تھے۔

29 مارچ (16 ذوالقعدہ): عصر کے بعد شیخ بدیع الدین پیر جھنڈا کا درس سنا، درس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔

آج ہی کے دن اپنی جماعت کے شاعر ناظم اجمیری کے ساتھ بھی نشست رہی، انہوں نے مختلف مواقع پر اپنے کہے گئے اشعار سنائے، جیسے "کلفٹن کی ایک شام" اور "آج کل کے نوجوان" پھر اپنی نعتیں بھی سنائیں اور کہا کہ جگر ان نعتوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ انہیں خطبہ عید کے اندر شامل ہونا چاہیے۔

4 اپریل (22 ذوالقعدہ): حرم نبوی میں مغرب کے بعد ایک مصری استاد کی تقریر دلپذیر سنی جن کا تعلق اخوان سے تھا۔ ایک تونسی استاد کے خطاب کو بھی سنا اور پھر شیخ عبد القادر کے درس میں شرکت کی، انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیت ﴿وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کی تشریح میں بتایا کہ اس سے مراد مسلمان ہیں کیونکہ وہی ہیں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح پیروی کرتے ہیں نہ کہ عیسائی جو کہ ان کی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں۔

6 اپریل: آخری حصہ درس میں شیخ بدیع الدین کا لیکچر رکھا گیا تھا، موضوع تھا: "اتباع کتاب اور سنت"، دوران تقریر بھی صوفیہ کا ذکر آیا کہ تقریر کے بعد اس ضمن میں کئی سوال کیے گئے جن کے انہوں نے جوابات دیے، ان کی تقریر کے بعد پہلے شیخ عطیہ سالم نے اور پھر شیخ البانی نے بھی خطاب کیا، چونکہ تصوف ایک حساس موضوع ہے اس لیے ایک بیرونی سامع نے لیکچر کے دوران بار بار مداخلت کی اور اسے روکنے کی بنا پر ایک ناخوشگوار صورت پیدا ہوگئی، طلبہ اور خاص طور پر ہمارے ساتھیوں میں سے اردن کے عبد العزیز اور شام کے ہشام میں بھی خوب تکرار ہوئی۔

7 اپریل: نماز فجر کے بعد شیخ بدیع الدین سے الوداعی ملاقات کی، وہ واپس تشریف لے جا رہے تھے، پھر میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے ان کے دولت خانہ پر گیا اور چونکہ جامعہ جانے کا وقت ہو گیا تھا اس لیے شیخ کی گاڑی ہی میں ہم جامعہ پہنچے۔

6 مئی (24 ذوالحجہ): شام کو دار الحدیث جانے کا اتفاق ہوا جو کہ حرم سے قریب ہی واقع ہے، وہاں شیخ الوہاب البناء اور شیخ محمد رمضان اور ایک یمنی شخص کے مابین ہونے والی بات چیت کو سنا، یہ شخص یمن کے صدر سلال اور مصر کی پالیسوں کا دفاع کر رہا تھا، بعد ازاں شیخ سلیم بھی تشریف لے آئے اور مذکورہ مشائخ کے ساتھ حج تمتع کی افضلیت کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔

7 تفریحی اور مطالعاتی اسفار (رحلات)

1۔ امسال میں 24 ستمبر 1963ء کی مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ پورے دو ہفتے یعنی 10 اکتوبر کو ہم اپنے پہلے تفریحی اور مطالعاتی سفر کے لیے جامعہ کے طلبہ کے گروپ کے ساتھ عازم خیبر ہوئے، اساتذہ میں سے شیخ محمد الوہاب البناء اور شیخ البانی طلبہ کی رہنمائی کے لیے موجود تھے۔ مدینہ منورہ سے جمعرات کی صبح کو سفر کا آغاز ہوا۔ خیبر سے قبل صلصلہ کی آبادی میں پڑاؤ ڈالا۔ خیمہ لگایا گیا۔ طلبہ میں تقسیم کار کر دی گئی۔ خیمہ کا لگایا جانا، پانی کا بندوبست کرنا، کھانا تیار کرنا اور بعد از طعام برتنوں کا دھونا، یہ وہ سب کام تھے جو طلبہ نے خود انجام دیے۔ نمازوں کے بعد شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور کئی مسائل پر شیخ نے پر مغز بات چیت کی۔ عصر کے جسمانی ورزش کے ضمن میں عسکری نما پریڈ، دوڑ کے مقابلے اور تیر اندازی کی پریکٹس سے لطف اندوز ہوئے۔

جمعہ کی صبح ہم خیبر کی طرف روانہ ہوئے، وہاں بھی خیمے لگائے گئے، جمعہ کی نماز خیبر کی جامع مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد شیخ محمد البناء نے خطاب کیا۔ اس کے بعد خیبر کے مرکزی قلعے اور قلعہ سلالم کے کھنڈرات کو دیکھا، مغرب سے قبل ہم واپسی کے سفر پر تھے، صلصلہ میں نماز مغرب و عشاء ادا کی اور پھر رات گئے مدینہ واپسی ہوئی۔

2۔ خیبر کا ایک دوسرا سفر 26 مارچ 1964ء کا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ پچھلا سفر تھا، جمعرات کی صبح کو ہم مدینہ منورہ سے نکلتے ہیں۔ صلصلہ تک دو گھنٹے کی مسافت کا راستہ ہے، وہیں خیمے لگائے گئے اور پھر منتظمین کی دوسری گاڑی آ جانے کے بعد کھانے کا انتظام کیا گیا یعنی کہیں مغرب کے وقت پیٹ کی آگ کو بجھایا۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مسائل پر بات کی جن میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک شخص سورج غروب ہونے سے قبل بھولے سے افطار کر لے تو کیا اس کا روزہ مکمل ہو گا یا نہیں! اور اس ضمن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ خطأ اور نسیان ایک ہی شمار ہوتے ہیں یا حنفی مذہب کے مطابق دونوں کے احکامات جدا جدا ہیں؟ مثال کے طور پر اگر ایک شخص غلطی سے بجائے عرفات کے عرفات سے باہر وقوف کر لے تو کیا حج ہو جائے گا، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'الحج عرفہ' والی حدیث کی بنیاد پر ایسے شخص کا حج نہ ہونے کے مسلک کو ترجیح دی۔

جمعہ کی صبح طلبہ نے نماز فجر کے بعد حلقہ بندی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی اور پھر پہلے کی طرح دوڑ اور تیر اندازی کے مقابلے ہوئے، صلصلہ کے پہاڑ پر بھی چڑھے اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد خیبر کا رخ کیا۔ قلعہ مرحب کے کھنڈرات کو دیکھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد شیخ رمضان ابو العزنے خطاب کیا اور پھر شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پند و نصائح سے نوازا۔

واپس صلصلہ پہنچے جو ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے، وہاں شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان اور اسلام کی بحث پر روشنی ڈالی اور ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے کا بھی ذکر کیا۔

اور پھر نماز ظہر اور عصر کی ادائیگی اور کھانے سے فراغت کے مدینہ کی راہ لی جہاں ہم دو گھنٹے کے بعد بخیر و عافیت اپنے مستقر پر پہنچ گئے۔ الحمد للہ کے یہ سفر بہت اچھا رہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق شامل حال رہی۔ (ذوالقعدہ 13، 14)

3۔امسال عاقول میں بھی دو دفعہ کیمپ لگائے گئے اور ایک دفعہ ساتھیوں کے ساتھ نجی طور پر جانا ہوا، عاقول کی وادی ایئرپورٹ کی جانب کوئی آٹھ کیلو کے فاصلے پر ہے اور برسات میں ایک نہر کی شکل اختیار کر لیتی ہے، پہلی دفعہ 20 نومبر کو مغرب سے قبل کیمپنگ کا سامان لے کر جانا ہوا۔ خیمے نصب کرنے کے بعد کھانے کے ساتھ ساتھ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ البناء کی صحبت حاصل رہی، رات کا ایک پہر چوکیداری کی ذمہ داری لگائی گئی اور پھر ایک دوسرے ساتھی نے اپنی باری کو نبھایا۔

صبح ہم جامعہ کے دروس میں حاضری دینے کے لیے واپس گئے اور پھر ظہر سے قبل دوبارہ عاقول کا رخ کیا۔ مزید اساتذہ بھی تشریف لا چکے تھے۔ شام تک نیزہ بازی، رسی کھینچنے اور دوسری ورزشوں میں گذارا۔ عاقول کی وادی میں بارش کی وجہ سے سیلاب کا منظر تھا جو سب کے لیے باعث کشش رہا۔ مغرب بعد چار اساتذہ نے خطاب کیا اور عشاء کے بعد ہم واپس جامعہ لوٹ آئے۔

19 دسمبر (جمعرات) کو بعد نماز ظہر عاقول کا دوسرا مرحلہ تھا، چونکہ 14 تاریخ سے جامعہ کی مجلس تاسیسی کے اجلاس شروع ہو چکے تھے، اس لیے بیرونی عالمی شخصیات مدینہ میں موجود تھیں، ان میں سے اکثر حضرات اس رحلہ میں شریک ہوئے۔ شام کے استاد مصطفیٰ الزرقا نے علم اور اخلاق سے متعلق مسائل پر گفتگو کی اور عراق کے بہجہ الاثری نے ان مسائل کے حل پر کلام کیا۔

اگلے دن جمعہ تھا، ہم فندق تیسیر میں مذکورہ علماء کی جائے رہائش پہنچے جہاں ان کے خیالات سے مزید استفادے کا موقع ملا۔

جامعہ کے نصاب پر بات چیت جاری تھی، ایک موضوع یہ بھی تھا کہ علم قدیم اور علم جدید کے درمیان توازن پیدا کرنے کے لیے کیا اقدامات کی جانے چاہئیں۔ مصطفیٰ الزرقاء نے زمین کی کرویت (گول ہونے) کے نظریے کو فخر الدین الرازی کے عقلی استدلال کی روشنی میں بیان کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ زمین کے بارے میں تین احتمالات ہوسکتے ہیں، بالکل چپٹی ہو، یا پیالے کی طرح جوف رکھتی ہو اور یا گول ہو، پھر پہلے دونوں احتمالات کی نفی کے دلائل دیے تو صرف تیسرا احتمال باقی رہ جاتا ہے، جامعہ کے مہمانوں میں پاکستان کے ظفر احمد انصاری بھی تھے جن سے خصوصی ملاقات رہی۔

2 جنوری (جمعرات) کو ہم 16 طلبہ نجی طور پر عاقول گئے۔ یہ وزٹ صرف فٹ بال کھیلنے کے لیے تھی جس کا موقع خال خال ہی ہاتھ آیا۔ اور میرے خیال میں یہ وہ آخری دفعہ تھی کہ جب ہم نے جامعہ کی زندگی میں فٹ بال کھیلا ہوگا۔

4 نومبر، دسمبر اور جنوری 1964ء کے اندراجات میں تین اور رحلات کا ذکر ہے۔ عموماً یہ رحلات جمعرات اور جمعے کو عمل میں لائے جاتے ہیں۔

نومبر (28-29) کا رحلہ المسیجید سے قریب بئر الروحاء کی جانب تھا جو مدینے سے 70 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ شیخ عطیۃ اور شیخ البانی کا ساتھ تھا اور دونوں کے مابین کئی مسائل میں بحث ہوتی رہی اور طلبہ اس سے مستفید ہوتے رہے۔

فجر کے بعد کے پروگرام میں حلقہ بندی کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور پھر وہ عسکری مشقیں تھیں جو پچھلے رحلات کا حصہ رہی ہیں۔ جمعہ کی نماز المسیجید کی جامع مسجد میں ادا کی، شیخ البناء اور دو طلبہ نے بعد میں خطاب بھی کیا۔ عصر کے بعد پہلے تو برتنوں کی صفائی اور دھلائی سے فارغ ہوئے اور پھر تیر اندازی اور رسی کھینچنے کے کھیل میں مصروف رہے اور بعد مغرب واپس مدینہ کی راہ لی۔

دسمبر (19) کی جمعرات کئی عدد مصروفیات میں گذری۔

جامعہ میں صحت کے بارے میں ایک اضافی درس تھا اور پھر جامعہ کی عقبی طرف پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر شام گذاری گئی، کھانے کے بعد اساتذہ اور طلبہ کے مابین مسائل پر مناقشہ جاری رہا اور عصر کے بعد عسکری تدریبات میں اس دفعہ بندوقوں سے فائر کرنے کا موقع بھی ملا اور اس کے بعد حسب سابق مختلف مشقوں میں حصہ لیا۔

اور مغرب کے بعد استاد عمر الاشقر کی رہنمائی میں دعوت و تبلیغ کے موضوع پر طلبہ نے اپنی اپنی گذارشات پیش کیں۔

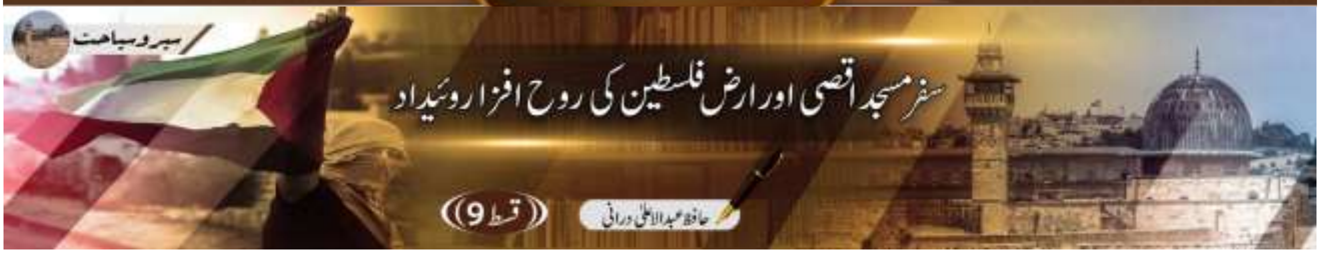
جنوری (9-10) کو شاہراہ جدہ کے آدھے راستے پر المستورۃ کے ساحلی قصبے تک ہمارا رحلہ تھا، یہ کوئی 224 کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ پہنچتے پہنچتے مغرب ہو گئی۔ بحر احمر کے پانی سے وضو کیا۔ مغرب و عشاء کی نماز ادا کی گئی اور پھر خیموں کے باہر رات کی چوکیداری کیلئے دو فریقوں کی ذمہ داری لگائی گئی، یہ ایک پرمشقت مشق تھی کہ رات کی ٹھنڈک کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہوا۔

جمعہ کی صبح نماز فجر کے بعد معمول کی ورزشیں کی گئیں اور پھر تقریباً جمعے کی نماز تک بحر احمر کے پانی سے لطف اٹھانے اور کشتی کی سواری کرنے اور کچھ کچھ تیراکی کے جنون میں ہاتھ پیر چلانے کا موقع بھی ہاتھ آیا۔

نماز کے لیے 50 کلو میٹر فاصلے پر 'الابواء' کی بستی میں جانا ہوا، یہ وہ بستی ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا مدفن بتایا جاتا ہے، ہم جب پہنچے تو نماز جمعہ ہو چکی تھی، اس لیے ہم نے جماعت سے ظہر اور عصر کی نماز (قصر اور جمع کے ساتھ) ادا کی۔

شیخ محمد البناء نے خطاب کیا، شام تک واپس المستورۃ پہنچے، المستورہ چاول اور مچھلی کی ڈش کے لیے مشہور ہے، ہم جب بھی یہاں سے گذرے ہیں، یہاں کی بھنی ہوئی مچھلی سے کام و دھن کو شاد کیا ہے۔ مغرب سے قبل کوچ کا پیام آیا۔ راستے میں بئر الروحاء میں مغرب و عشاء کی نماز ادا کی اور پھر رات گئے ہم مدینہ منورہ پہنچ پائے۔

اور یوں اس سال آٹھ رحلات میں جانا ہوا۔ نواں سفر حج کا تھا۔ ہمارا دوسرا حج، اور اس کی تفصیل علیحدہ سے بیان ہوگی۔ (جاری)



اریحا کا ایک خدمت گزار خاندان

"یک خانوادہ فلسطینی از اھالی اریحا بہ عنوان خادمان حرم در این مکان خدمت مے کند و عہدہ دار پذیرائی از زوارند" تقریبا تین سو سال پرانی بات ہے۔ مقام موسیٰ کے خادموں میں سے ایک خادم "حسن احمد خلیل" ہوا کرتے تھے۔ الراعی کے نام سے انہوں نے شہرت پائی۔ وفات کے بعد ان کی قبر بھی معروف ہوگئی۔ "ویعرف قبرہ باسم مقام الراعی۔ مقام موسیٰ سے ایک کلومیٹر دور ان کی قبر بتائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی الراعی نام کے افراد موجود ہیں جو غالباً ارائیں فیملی سے ہیں۔ چونکہ اریحا کے لوگ حجاج بن یوسف کے ایما پر محمد بن قاسم کی قیادت میں جہاد ہند کیلئے گئے تھے اور یہ قبیلہ بھی انہی کی اولاد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح کڑیوں سے کڑیاں ملائیں تو یہ عربی النسل لوگ لگتے ہیں۔ مقام موسیٰ کے ایک احاطے میں قبے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ایک جگہ زائرین کے رہائشی کمرے ہیں۔ درمیان میں جامع مسجد ہے۔ جس کا ایک بڑا منارہ ہے۔

وہاں ایک محراب ہے جس سے قبلہ رخ کا تعین ہوتا ہے۔ وہیں آئمہ مسجد کے رہائشی کواٹر بھی ہیں۔ مشرقی جانب مردوں کے لیے اور مغربی جانب عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ مسجد میں داخل ہوں تو دائیں جانب ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کے وسط میں ایک قبر کی شکل بنائی گئی ہے جس پر سبز غلاف چڑھا ہوا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ مقام دفن موسیٰ ہے۔ جو بہر حال صحیح نہیں ہے۔

یہاں آنے والے زائرین کا تذکرہ

وزارة الاوقاف والشئون الدينية موسسة احياء التراث والبحوث الاسلامية بيت المقدس کی جانب سے شائع کردہ تعارفی کتابچے میں ذکر ہے کہ نویں صدی ہجری کے مشہور مصنف علامہ حافظ جلال الدین سیوطی (880ھ/1475) نے اتحاف الاخصاء بفضائل المسجد الاقصیٰ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ کہ لوگ اس جگہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں، یہاں راتیں گزارتے ہیں، کافی پیسہ خرچ کرتے ہیں اور یہاں مزدوری کرنے والوں کا روزگار لگا ہوا ہے۔ جیسا کہ عام قاعدہ ہے۔

"والناس يتحملون المشقة الذهاب إليه مقام النبي موسى عليه السلام ويبيتون عنده و مشقة الاياب ويبذلون الأموال فى عمل الماكل والمشارب واجرة الدواب يفعل ذالك الرجال والنساء من أهل بيت المقدس وغيرهم من والواردين عليه بقصد الزيارة لايخلون بذالك حتى الآن."

اسی دور کے ایک اور مصنف نجم الدین نے (الدر النظیم فی اخبار سیدنا موسی الکلیم) میں مقام موسیٰ کی بابت یہی لکھا:

"وصار ذالك الموضع، موضع القبة التى انشاؤها الظاهر بيبرس و عرفت بمقام النبي موسى عليه السلام علما يقصده الزوار والناس."

اور اسی طرح ایک اور معروف وقائع نگار مجیر الدین الحنبلی نے "الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل" میں مقام موسیٰ میں ہونے والے اجتماعات کا ذکر کیا ہے۔ کہ عصر مملوکی میں حجاج کرام حج کے لیے جاتے وقت اور واپس آتے وقت فلسطین میں اسلامی مقدسات کا وزٹ کرنے کے لیے یہاں قیام کرتے تھے۔ کیونکہ بیت المقدس شہر کی گلیاں بہت تنگ ہیں اور عثمانیوں کے دور میں یہ جگہ حدود فلسطین سے باہر شمار ہوتی تھی، اور یہاں مختلف مواسم کے اجتماعات ہوتے تھے۔

"فقد كان الحجاج المتوجهون إلى مكة والعائدون منها فى أواخر العصر المملوكى يزورون القدس والخليل والنبى موسىٰ وغيرها من المقدسات الإسلامية فى فلسطين وهذا يعنى ان المقام بدأ يكتسب طابعا اسلاميا عاما خارج حدود فلسطين فى ذالك الوقت."

جرمنی سیاح "اولریش زیٹسن" بھی یہاں آیا اس نے لکھا کہ مجھے کہا گیا کہ "جوتے اتارو" قبر موسیٰ سبز غلاف میں لپٹی ہوئی تھی۔ جو ایک حجرے کی کھڑکی سے نظر آرہی تھی اور لوگ وہاں کپڑوں کی ٹاکیاں ٹانکتے تھے۔ جیسا کہ قبروں پر حاجات مانگنے والے اس قسم کے کام کرتے ہیں۔

جب ہم مقام موسیٰ پہنچے

جب اس تاریخی مقام "مقام موسیٰ" کے سامنے ہماری گاڑی رکی تو مقامی دوکاندار نے ہمیں خوش آمدید کہا اور وہاں کے کنویں کا پانی پیش کیا۔ جس کا ذائقہ پہاڑی چشموں کے پانی کا تھا۔ قریب ہی ایک شخص اونٹ لیے کھڑا تھا کہ اس پر سواری کریں۔ یہ بھی مقامی روایات میں سے ہے۔ ہمارے ایک

دوساتھیوں نے اس طرح اس سفر کو انجوائے کیا۔ وضو کے لیے ہم طہارت خانے گئے وہاں تعمیری کاموں کی وجہ سے وضو بنانا آسان نہیں تھا جیسے تیسے ہوا ہم نے وضو بنایااور مسجد میں جاکر تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت ادا کیں۔ مسجد کے دائیں جانب ایک بہت بڑا چبوترا غلاف میں لپٹا ہوا تھا۔ جسے مقام موسیٰ کا نام دیا گیا ہے، یہ اڑھائی میٹر اونچا ہے۔ جس کے اوپر قرآنی آیت کا ٹکڑا:

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾

مقام موسیٰ کی مناسبت سے لکھا ہوا تھا۔ ہم نے اس کے دونوں طرف جاکر غلاف اور مقام موسیٰ کی تصاویر بنائیں۔ قبلہ جانب ایک طاق بنا ہوا ہے، جس میں ایک کافی ضخیم قرآن کریم پڑا ہوا تھا، قدیمی فن کتابت کا شاہکار نمونہ، میرے موبائل کی بیٹری کم ہونے کی وجہ سے اہلیہ کے موبائل سے اس کا عکس اتارا گیا۔ لیکن وہ صاف پڑھا نہیں جارہا۔ آج (2018/3/29) کو اسے کئی بار پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ غالباً لکھا ہے: "مصحف التہجد"۔

اس سے زیادہ کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ اتنے میں مسجد کا ایک خادم ہمارے ساتھ ہولیا۔ بتانے لگا یہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قیام ہوا تھا۔ اسی لیے لوگ یہاں کچھ دن حجروں میں رہتے اور روحانی سکون حاصل کیا کرتے تھے۔

مزید یہ کہ اس جگہ کو سلطان ایوبی کے دور میں وقف کیا گیا تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر آپ مینار پر چڑھیں تو بہت دور تک کا نظارہ کر سکیں گے۔ یہاں سے نہر اردن کا مشرقی کنارہ بھی نظر آتا ہے۔ اور جبل نیبو بھی دیکھ سکتے ہیں، جس کا کتاب مقدس کے مطابق سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تعلق تھا۔

صحن میں 10 کمرے اور اصطبل، پرانے تندور اور کنویں ہیں۔ اس کے گرد قبرستان ہے جہاں دفن ہونے کے لیے کئی لوگ وصیت کر جایا کرتے تھے کہ نبی موسیٰ علیہ السلام کا تقرب حاصل ہو گا۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ ان سالانہ اجتماعات اور میلوں ٹھیلوں کی حیثیت بھی تبدیل ہوگئی۔ اس لیے اب یہ مقام موسیٰ پر بہت کم لوگ آتے ہیں اسی لیے کہا گیا کہ اب مقام موسیٰ کو زائرین کی قلت کا سامنا رہتا ہے۔

" مقام النبي موسى يشكو قلة الزائرين."

مسجد کے چاروں کونوں کی زیارت کے بعد ہم دروازے کے باہر پانی کے قدیمی حوض کو دیکھنے میں محو تھے کہ ایک دھماکے کی آواز نے سبھی کو چونکا دیا۔ جب حواس بحال ہوئے تو دیکھا ایک خوبصورت بلی کہیں سے جمپ لگاکر ہمیں خوش آمدید کہنے آن وارد ہوئی تھی۔ سبھی اس کی اچانک تشریف آوری کے کھڑاک سے بیدار ہوگئے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اس کی ضیافت کے لیے پیش کی جاتی۔ اس کے باوجود اس بیچاری نے دروازے تک ہمارا ساتھ دیا۔ وہاں چند دوکانیں تھیں، الگ الگ۔ میں نے اہلیہ سے کہا ان سے کچھ خریداری کرلو۔ پتہ نہیں یہ غریب کیسے گزارا کرتے ہوں گے۔ ایک دوکان سے کچھ گھریلو قسم کی شاپنگ کی۔ اور اس خیال سے کہ دوسری دوکان سے بھی کچھ خریداری کرلیں تاکہ اس دوکاندار کو بھی کوئی فائدہ ہوسکے۔ جب چند چیزوں کا انتخاب ہو چکا تو دوکاندار کا انتظار کیا جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہی صاحب تشریف لائے جو باہر ٹی ہاؤس چلارہے تھے۔ پوچھا یہ بھی آپ ہی کی ہے؟ جواب اثبات میں تھا۔

اب تیسری شاپ سے خریداری کی بجائے پوچھا گیا کہ وہ بھی آپ ہی کی ملکیت ہے؟ جواب اثبات میں پاکر وہیں سے تعاون کا ارادہ پورا کرلیا۔ باہر نکلے تو انہی کے ٹی ہاؤس سے چائے تیار کرنے کی فرمائش کی۔ چائے بہت مزے دار تھی۔ ہم نے مزید پانی طلب کیا۔ جو ایک سادہ سے کٹورے میں دیا گیا۔

کچھ مزید باتیں ان سے پوچھیں۔ بہر حال ہم نے تھوڑے سے وقت میں یہاں کافی کچھ دیکھ لیا تھا۔

برصغیر کے بزرگوں کے مزارات اور قبروں کی تجارت

میں سوچ رہا تھا کہ ہندو پاک میں بھی بزرگوں کی طرف منسوب فرضی حجرے، جھوٹے افسانے اورآستانے، بابے ٹل شاہ، چڑی مار، دولے شاہ کے بڑے بڑے مزار اور مزاروں پہ سجدے، منتیں اور دہائیاں، جن کی رونق کبھی ماند نہیں پڑتی، مجاروں کا بزنس ہر آن بڑھتا رہتا ہے۔ ہماری قوم کی جہالت وضلالت آخری درجے پہ چڑھی ہوئی ہے، بقول علامہ اقبال

ہو نکونام تم قبروں کی تجارت کرکے
کیانہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے

جبکہ یہ علاقہ بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، اور اس کی رونق وقت کے ساتھ ساتھ بتدریج ماند پڑچکی ہے۔ یہاں نہ کوئی روایتی مزار ہے، نہ چادریں چڑھتی ہیں، نہ منتیں مانگی جاتی ہیں اور نہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ استہزاء اور کٹ حجتیاں کرنے اور شرک خالص پر مبنی قوالیاں ہوتی ہیں۔ بس سادہ سی عمارت اور درمیان میں مسجد ہے۔ کیونکہ حدیث میں صاف بتایا گیا کہ قبر موسیٰ کا علم کسی کو نہیں ہے، اس لیے فرضی مزار موسیٰ کا افسانہ اپنی کشش کھو چکا ہے۔ اس زمین کو قرآن کریم نے ارض مقدسہ قرار دیا ہے اور ﴿بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ فرمایا ہے۔ اس کے ایک ایک چپے پر ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام کے نقوش قدم موجود ہیں، ان فضاؤں نے انبیاء جیسی جلیل القدر ہستیوں کی قدم بوسی کی ہے، ان کی نبوت سے یہ فضائیں عرصہ

دراز تک منور رہی ہیں، بے شمار آسمانی صحیفے یہاں نازل ہوئے ہیں، سیدنا جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی لے کر اترا کرتے تھے، برکات وسعادات سے پُر علاقہ، جہاں ان گنت نفوس قدسیہ محو استراحت ہیں۔ یہاں کی زمین کو حق ہے کہ وہ باقی زمین پر فخر کرے، یہاں سادگی مگر پرکاری بدرجہ اتم موجود ہے۔ بت پرستی اور قبر پرستی کی قباحتوں اور نحوستوں سے بالکل پاک۔ ہمیں تو یہ محسوس کرکے ہی بڑی مسرت ہو رہی تھی کہ پچھلے سات آٹھ سو سال سے بنی ہوئی ایک زیارت گاہ جہاں جرنیل اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان بیبرس، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ نجم الدین، علامہ مجیر الدین حنبلی اور نہ جانے کتنے جلیل القدر لوگ آتے رہے۔ ہمیں انہی فضاؤں میں سانس لینے کی سعادت نصیب ہوئی جہاں بے شمار خداپرست مجاہدین نے تگ و تاز کی ہے۔

مقام موسیٰ سے باہر نکلیں تو دائیں جانب ایک طرف وسیع و عریض قبرستان دکھائی پڑتا ہے۔ جس کے مدفونین کے بارے مختلف روایات ہمیں بتائی گئیں، کچھ قدیمی دور کے مدفونین جن میں بعض انبیاء بھی ہوں گے، یہاں سے گزرنے والے ان گنت اتقیاء بھی ہوں گے۔ شب زندہ دار صالحین بھی ہوں گے۔ نہ جانے زمانے نے کتنے رنگ بدلے اور فضائیں کتنی بار مہکی ہوں گی، انسان کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے کتنے مجاہدین کی یہاں آخری آرام گاہیں بنی ہوں گی۔

خادم کی وضاحت سے صرف اتنی سمجھ آئی کہ یہاں آزادی فلسطین کے مجاہدین بھی آرام فرما ہیں۔ چونکہ یہ مقام موسیٰ کسی زمانے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے طور پر مشہور ہو گیا تھا اس لیے کئی لوگ قرب موسیٰ کے خیال سے اس قبرستان میں دفن ہونے کی وصیت بھی کر جایا کرتے تھے۔ وقت بالکل نہیں تھا ورنہ ہم اس قبرستان میں بھی جاتے اور وہاں حاضر ہو کر مدفونین کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔

"اللھم اغفرلھم وارحمھم واعفھم واعف عنهم وأكرم نزلهم ووسع مدخلهم ونقهم من الخطايا كما ينقص الثوب الأبيض من الدنس. اللهم اغفر للمسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات وأدخلهم الجنة الفردوس. توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين آمين يا رب العالمين."

بحر میت کی طرف روانگی

مقام موسیٰ دیکھنے سے فارغ ہو کر ہم بحر میت Dead See، بحیرہ مردار یا بحر لوط اور مسکن قوم لوط، مسکن اہل سدوم وغیرہ (یہ سب نام اس علاقے کے ہیں جہاں سیدنا لوط علیہ السلام مبعوث کیے گئے اور قوم عذاب الٰہی کا شکار ہوئی تھی) دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں جانے سے پہلے اس علاقے کا بھی تھوڑا سا تعارف ہو جائے۔ اس قوم کی طرف بھیجے جانے والے نبی کا نام نامی سیدنا لوط علیہ السلام ہے۔ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کے والد کا نام عمران تھا۔ سیدنا لوط علیہ السلام کی پیدائش 2200 سال قبل مسیح ہوئی۔ آپ کی نشو و نما سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن "ارUR" تھا۔ جہاں آپ نے 100 سال کے قریب قوم کو حق کا وعظ سنایا، توحید الٰہی کی طرف دعوت دی۔ قوم نے ساری زندگی مزاحمت جاری رکھی۔ آخرکار ان کو جلانے کا ارادہ کیا۔ حق تعالیٰ نے ان پر نار کو گلزار بنا دیا۔ قوم پھر بھی نہیں مانی۔ تب آپ کو یہ علاقہ چھوڑنے کا حکم ہوا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ آپ کی اہلیہ سیدہ سارہ تھی اور ایمان لانے والے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام تھے۔

اتفاق سے ان کی بیوی کا نام بھی سارہ ہی تھا۔ لیکن دونوں کے درمیان فرق صاف تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مسلمہ تھیں۔ اور بعد میں آنے والے سارے انبیاء سیدہ سارہ ہی کی اولاد تھے۔ گویا وہ ایمان کے باعث ام الانبیاء بن گئیں۔ جبکہ سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی کفار کی ہمنوا رہی اور آخرکار انہی کیساتھ عذاب الٰہی کا نشانہ بن گئی۔ کتنا فرق ہے ایمان اور کفر میں!!!

یہ دونوں گھرانے پہلے جبل بیت المقدس آئے۔ پھر چرواہے بادشاہوں کے دور میں مصر پہنچے۔ وہاں بھی حالات ناسازگار پائے تو یروشلم واپسی کی راہ لی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو بیئر سبع (حاران جسے الخلیل کہا جاتا ہے جس کا تذکرہ ہم پیچھے کر چکے ہیں) فلسطین میں مقیم ہو گئے مگر سیدنا لوط علیہ السلام کو وہاں سے بیس تیس میل دور "سدوم" (اردن) کا علاقہ اچھا لگا تو آپ وہیں مقیم ہو گئے۔ سدوم۔۔۔ جو عمورہ۔۔۔ موآب۔۔۔ مدائن صالح اور دمشق کے درمیان بڑا آباد علاقہ تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں بگڑی ہوئی قوم کی ہدایت کے لیے نبی متعین فرما دیا۔ یہاں کے رہنے والے لوگ نہایت ہی برے کردار والے تھے۔ خوشحالی نے ان کے دماغ خراب کر رکھے تھے۔ راستوں میں لوگوں کو لوٹنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھنا، اغلام بازی (Homosexuality) اور اس طرح کی نافرمانیاں اس قوم کا وطیرہ بن چکا تھا۔ اغلام بازی کے اس برے فعل کا نام ہی سدومیت پڑ گیا۔ مہمانوں کو لوٹنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور لٹے پٹے لوگوں کی بے بسی کا تماشا دیکھنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

قوم لوط کی عادت بد کا سبب

اغلام بازی کی عادت کیسے رواج پائی؟ بعض مفسرین نے کہا کہ یہ علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ خوشحالی کے باعث اردگرد کے لوگ بکثرت یہاں آتے تھے۔ شیطان لعین نے بوڑھے کھوسٹ آدمی کی شکل

میں آکر انہیں مہمانوں کے ساتھ اس طرح لذت حاصل کرنے، مال جمع کرنے اور ڈاکہ ڈالنے کا راستہ بتایا اور بدفعلی کا یہ گندہ کام سب سے پہلے اسی قوم نے شروع کیا۔ اس سے پہلے کی انسانی تاریخ اس خبیث کام سے مکمل ناآشنا چلی آرہی تھی، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾

رفتہ رفتہ یہ قوم اس فعل بد کی عادی بن گئی۔ سیدنا لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو نیکی کا راہ اختیار کرنے کی اور اغلام بازی، ڈاکہ زنی اور سنگدلی کے ساتھ مسافروں کے ساتھ پیش آنے سے منع کیا اور برسوں تک تبلیغ میں لگے رہے۔ لیکن حسب عادت قوم نے ان کا مذاق اڑایا۔ انہیں ”بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں“ کا طعنہ دیا۔ ”کہوان سے کہ اتنے پاکباز لوگوں کا ہمارے ساتھ نبھا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہاں سے نکل جاؤ اور اپنے جیسے لوگوں میں جاکر رہو۔“

﴿ أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴾

زیادہ المناک بات یہ تھی کہ

سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ رہی۔ لیکن ان کی بچیوں نے اسلام قبول کر لیا اور بستی کے چند لوگوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا لیکن اکثریت دشمن ہی رہی اور بالآخر حق تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے کا ارادہ فرمایا اور عذاب کی تنبیہ دینے کے لیے سیدنا لوط علیہ السلام نبی کے گھر میں نوجوانوں کی شکل میں فرشتے آئے جنہیں دیکھ کر قوم کے بدبخت لوگ خوشیاں منانے لگے اور بیت سیدنا لوط علیہ السلام کا گھیراؤ کر لیا۔ اور لگے آوازے کسنے کہ

”اے لوط! نکالو ان خوبصورت نوجوانوں کو۔“

جس پر سیدنا لوط علیہ السلام بہت غمزدہ ہو گئے کہ میری حمایت کے لیے میرا تو یہاں خاندان بھی نہیں ہے۔ ماسوا ذات پروردگار کے کوئی سہارا بھی نہیں ہے اور یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ میرے مہمانوں کے ساتھ میری قوم کے لوگ برا سلوک کریں گے، جو بدنامی کا باعث بنے گا اور غیر اخلاقی حرکت ہو گی۔ تب فرشتے ظاہر ہوئے اور اپنی اصلیت واضح کی کہ

اے لوط آپ بالکل بے فکر رہیں، ہم انسان نہیں ہیں فرشتے ہیں اور ان کو تباہ کرنے کی خبر لے کر آئے ہیں۔ ہم ان حیوانوں کی پہنچ سے بالکل باہر ہیں۔ آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر رات کو نکل جائیں اور کوئی مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔

سیدنا لوط علیہ السلام بہت گھبرائے لیکن یہ فیصلہ اٹل تھا۔ چنانچہ رات کو حسب حکم الٰہی سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ راستے میں جب یہ قافلہ اہل حق ”صغر کے پہاڑوں“ پر چڑھ رہا تھا۔ قوم لوط کی بداعمالی کی سزا شروع ہو گئی، پہلے طوفان وبادو باراں اور پھر پوری بستی جڑ سے اکھاڑ کر بلندی پر لیجائی گئی اور بلندی سے پلٹا کر اسے نیچے پھینک دیا گیا۔ اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ قوم پر جب عذاب آرہا تھا تو کسی مومن نے مڑ کر نہیں دیکھا سوائے آپ کی بیوی نے تو وہ بھی وہیں پتھر بنادی گئی۔

اس کا مجسمہ ابھی تک موجود ہے جو ایک حیرت زدہ عورت کا مجسمہ لگتا ہے۔ سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کا یہ حشر بد قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں بیان ہوا ہے۔

سورہ ہود آیات 77 تا 83 میں بھی اس کا اجمالی ذکر ہوا۔

”جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے ٥ اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آپہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی، سیدنا لوط علیہ السلام نے کہا:

اے قوم (تمہارے گھروں میں تمہاری بیویاں) میری بیٹیوں (جیسی) موجود ہیں (تم ان سے خواہش پوری کرو)۔ یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں، اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ٥ وہ بولے تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری ان بیٹیوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تو یہ بھی جانتا کہ ہم کیا چاہتے ہیں ٥ سیدنا لوط علیہ السلام نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ٥ اب فرشتوں نے کہا:

اے لوط (علیہ السلام)! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں۔ پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو تم میں سے کسی کو مڑ کر نہ دیکھنا چاہیے، بجز تیری بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا' یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح قریب نہیں ٥ پھر جب ہمارا حکم آگیا، ہم نے اس بستی کو الٹ پلٹ کر دیا اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر تابڑ توڑ کنکریلے پتھر برسائے ٥ تمہارے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں ٥ پہاڑ پر بہت بلندی پر ایک پتھر کا مجسمہ بنا ہوا ہے کسی عورت کا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سیدنا لوط علیہ السلام کی کافرہ بیوی کا وہ بت ہے جو بحکم الٰہی وہاں بنادیا گیا تھا تا کہ عبرت رہے۔“ واللہ اعلم

سیدنا لوط علیہ السلام نے اپنی زندگی کا بقایا حصہ صغر نامی بستی یا غار میں گزارا۔ وہیں آپ فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی قبر مبارک کی نشاندھی کی جاتی ہے۔ آپ کی قبر مبارک پر آپ کی تاریخ وفات 29 جمادی الثانی لکھی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆



حافظ صاحب! میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ اس قسم کی روایات سن کر میری دلی تمنا ہے کہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کروں۔ میں اس روز کو روز عید سمجھونگا جس روز آپ کے ساتھ اختلافی مسائل میں گفتگو ہو گی۔ حافظ صاحب اگر آپ اپنی مجالس میں ایسا کہتے ہیں تو میں بذریعہ اخبار آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں آپ کی (منشاء) کے مطابق گفتگو کرنے کو تیار ہوں۔ آپ جب چاہیں مجھ سے گفتگو کر لیں۔ سب سے بہتر مقام آپ ہی کا صدر مقام سیالکوٹ ہے۔ پس بتراضی فریقین تاریخ مقرر کر کے مجلس بحث میں مجھ کو بلالیں۔ میں فوراً پہنچونگا۔ انشاء اللہ۔ میری طرف سے سر سری شروط حسب ذیل ہونگی:

1۔ بحث سب سے پہلے ان امور پر ہو گی جو شرک تک پہنچتے ہیں جیسے استمداد بالغیر کرنا، شیئاللہ وغیرہ پڑھنا۔

2۔ پھر ان امور پر ہو گی جو بدعت تک پہنچتے ہیں۔ جیسے مجلس مولود وغیرہ۔

3۔ تقلید شخصی مسائل خلافیہ آمین رفع یدین وغیرہ۔

بحث تحریری ہو گی جس میں ہر فریق۔۔ گھنٹے تک پرچہ تحریر کر کے فریق ثانی کو دیدے گا۔ مجلس بحث میں فریقین کے پچاس پچاس آدمی شریک ہونگے۔ مجلس کا کوئی بارعب شخص صدر ہو گا۔

حافظ صاحب! کیا میں امید رکھوں کہ میری خواہش کے مطابق میری اس چٹھی کا جواب دیں گے۔ (دیدہ بائد) آپ کا بہی خواہ ابو الوفا ثناء اللہ اڈیٹر اہل حدیث امر تسر (ہفت روزہ اہل حدیث امر تسر 16 مئی 1919ء۔ ص4-5)

☆سطور بالا میں تقلید وغیرہ مسائل اختلافیہ پر بیسیوں صدی کے نصف اول میں مباحثوں کی بات ہو رہی تھی، تاہم بحث و نظر کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا، اور حال ہی میں حافظ صلاح الدین یوسف نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اپنی تحریر میں محمد بن اسحاق بن یسار کے متعلق حافظ زبیر علی زئی کی تحریر کا ذکر فرمایا ہے۔

موقع کی مناسبت سے یہ دونوں تحریریں یکے بعد دیگرے ذیل میں نذر قارئین کی جارہی ہیں۔

اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب الاصلاح میں جو احناف کی ایک کتاب جواز الفاتحہ علی الطعام کے جواب میں لکھی گئی تھی، میں تقلید بدعات قیاس و اجتہاد جیسے اہم موضوعات پر محققانہ بحثیں ہیں۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

اہل حدیث کے اصول کتاب و سنت اور اقوال صحابہ ہیں یعنی جب کسی صحابی کا قول ہو اور اسکا کوئی مخالف نہ ہو، اگر اختلاف ہو تو ان میں سے جو قول کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہو، اس پر عمل کیا جائے اور اسپر کسی عمل، رائے، یا قیاس کو مقدم نہ سمجھا جائے، اور بوقت ضرورت قیاس پر عمل کیا جائے۔ قیاس میں اپنے سے اعلم پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ یہی مسلک امام احمد بن حنبل اور دیگر آئمہ حدیث کا ہے۔

اس کے بعد اعلام الموقعین لابن القیم سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں امام احمد کے ان پانچ اصولوں کا بیان ہے جن پر ان کے فتوں کی بنیاد ہوتی تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

اول: نصوص (یعنی قرآن و حدیث کے صریح احکام) ان کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور کی طرف التفات نہ فرماتے۔

دوم: صحابہ کے فتاوی: جب کسی صحابی کا فتوی ملتا، جس کا کوئی مخالف معلوم نہ ہوتا، تو اسی پر فتوی دیتے۔

سوم: جب صحابہ میں اختلاف ہوتا تو اس قول کو لیتے جو کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہوتا، ان کے اقوال سے باہر نہ نکلتے۔

چہارم: مرسل اور حسن حدیث کو لینا، جب کہ اس باب میں کوئی اور دلیل اس کے مخالف نہ ہو۔ ان کے نزدیک حسن کے مختلف مراتب ہیں، جب اس بارے میں کوئی مخالف اثر یا قول صحابی سے اجماع سے نہ ملے تو اس حسن (جس کو وہ اپنی مخصوص اصطلاح میں ضعیف سے تعبیر کرتے ہیں) پر عمل کرنا ان کے نزدیک قیاس سے اولی ہے۔ اس حدیث سے مراد باطل، منکر اور وہ حدیث نہیں جس میں کوئی راوی متہم ہو، جس پر فتوی دینا منع ہو۔ آئمہ اربعہ میں سے ہر ایک فی الجملہ اس بات میں ان کے ساتھ موافق ہے۔

پنجم: قیاس، اس کو ضرورت کے وقت لیتے، جیسے امام شافعی سے بھی منقول ہے کہ قیاس کی طرف صرف ضرورت کے وقت رجوع کیا جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے فتاوی کے یہی پانچ اصول ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پانچ اصول صرف امام احمد رحمہ اللہ کے ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ تینوں آئمہ (امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ) کے بھی ہیں۔

علاوہ ازیں محدثین یعنی اہل حدیث کے نزدیک بھی

تقریباً یہی اصول ہیں۔ صرف مرسل روایت سے حجیت و استناد کے وہ قائل نہیں لیکن مذکورہ اقتباس میں مرسل کا حوالہ جس اعتبار سے آیا ہے وہ ہے قیاس کے مقابلے میں مرسل روایت سے استدلال کرنا، اور یہ بات ایک حد تک صحیح ہے، مطلقاً مرسل روایت محدثین کے نزدیک ناقابل حجت ہے۔ علاوہ ازیں یہ وہ نکتہ ہے اور اصول ہے جو دیگر تمام علمائے اہل حدیث بھی تسلیم اور بیان کرتے ہیں۔ شکر اللہ سعیہم

☆حافظ محمد گوندلوی کا یہ بیان ان کے نہایت گہرے مطالعے اور وسعت کا مظہر ہے اور وہ اس طرح کہ جہاں تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جلیل القدر تلامذہ (امام محمد، قاضی ابویوسف وغیرہ) کا اور ان کا ساطرز فکر و عمل اختیار کرنے والوں کا تعلق ہے، اس کو اگر سامنے رکھا جائے تو واقعی اہلحدیث اور احناف کے اصولوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ اور فروع اصول کے تابع ہوتے ہیں اس لئے فروع میں اختلاف بھی کوئی معتدبہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ادھر برصغیر پاک وہند میں فقہی اختلافات کی جو معرکہ آرائی ہے وہ اہل حدیث اور احناف کے درمیان ہے۔ (دوسری فقہوں کے پیروکار یہاں نہیں ہیں اگر کہیں ہیں تو وہ اتنی محدود تعداد میں ہیں کہ وہ کالعدم کے حکم میں ہیں) اسلئے جب یہ کہا جائے کہ اہل حدیث اور احناف میں کوئی اختلاف ہی نہیں، نہ اصولی نہ فروعی، تو اسپر اظہار تعجب فطری امر ہے۔ بنابریں مذکورہ اصولی بات نہایت اہمیت کی حامل ہے اور اس سے فقہی اختلافات کی اصل نوعیت بھی سامنے آجاتی ہے۔

اگر مذکورہ دعوی صحیح ہے اور یقینا صحیح ہے تو پھر احناف اور اہل حدیث کے درمیان فقہی معرکہ آرائی کا یہ سلسلہ جو کم وبیش ڈیڑھ صدی سے عروج پر ہے، کیوں ہے؟ اور اس کی شدت کیوں وسعت پذیر ہے؟ زیر نظر تاریخ اہل حدیث کا (جو اسی فقہی اختلافات کی وادی پر خار کی آبلہ پائیوں کی تفصیلات اور رزم و بزم کی حکایات پر مشتمل ہے) مطالعہ کرنے سے قبل اس کی حقیقت و نوعیت کا جاننا ضروری ہے۔

اس کی وجہ فقہائے احناف کا ایک دوسرا گروہ ہے جو اکثریتی گروہ ہے۔ اس نے دعوی تو یہ کیا کہ وہ امام ابو حنیفہ کا مقلد ہے لیکن انہوں نے اپنے امام اور صاحبین (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) کے طرز فکر و عمل سے یکسر انحراف کا راستہ اختیار کیا، حالانکہ فقہ حنفی ان تینوں آئمہ کے اقوال کے مجموعے کا نام ہے۔ فقہ حنفی میں مفتی بہ قول کبھی امام ابو حنیفہ کا ہوتا ہے، کبھی امام محمد کا اور کبھی قاضی ابویوسف کا، اور بعض دفعہ امام زفر وغیرہ کا بھی۔ یہ صورت حال فقہ حنفی میں توسع کی اور احادیث صحیحہ سے عدم انحراف کی ایک بڑی بنیاد بن سکتی تھی، لیکن افسوس بعد میں آنے والے فقہائے احناف نے اپنے آئمہ ثلاثہ کے مسلک اور طرز عمل سے انحراف کیا جس کی وجہ سے فقہی اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی اور نوبت بایں جا رسید کہ اب اس کا پاٹنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

اس دوسرے گروہ کی دو قسمیں ہیں:

ایک گروہ میں انحراف کم ہے، یا کم از کم اصول میں وہ اپنے آئمہ ثلاثہ کے بہت قریب ہے، گو عمل کے اعتبار سے دور ہے۔

دوسری قسم ان علماء و فقہاء کی ہے جو بدترین قسم کے تقلیدی جمود کا شکار ہے اور برملا حدیث کی حجیت کا انکار کرتا ہے۔

اس اعتبار سے احناف تین گروہوں میں منقسم ہیں:

پہلا گروہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردان رشید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا ساطرز عمل اختیار کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ ان سے اہل حدیث کا اصولی طور پر اختلاف نہیں۔ اہل حدیث علماء احناف سے اصول و فروع میں اختلاف کی جو نفی کرتے ہیں اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔

ہم چند اقوال اور مثالوں سے اس گروہ کا اصولی موقف بیان کرتے ہیں تاکہ بات واضح ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و فقاہت مسلّمہ ہے، اس میں دورائے نہیں۔ لیکن ان کا ذرا طرز عمل دیکھئے۔

امام صاحب سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کی کوئی ایسی بات ہو جو کتاب اللہ کے مخالف ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ کے مقابلے میں میری بات چھوڑ دو۔ ان سے کہا گیا، جب آپ کی بات حدیث رسول کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا: حدیث رسول کے مقابلے میں میری بات ترک کر دو۔ پھر آپ سے کہا گیا اگر آپ کی بات قول صحابی کے خلاف ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس کے مقابلے میں بھی میری رائے کو نظر انداز کر دو۔ امام صاحب کا یہ قول امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے القول المفید میں نقل کیا ان کی اصل عبارت یہ ہے:

قال صاحب الهداية فی روضة العلماء: إنه قيل لأبی حنيفة إذا قلت قولاً و كتاب الله يخالفه؟ قال: اتركوا قولی بكتاب الله، فقيل له: إذا كان خبر الرسول يخالفه؟ قال اتركوا قولی بخبر الرسول ﷺ، فقيل له: إذا كان قول الصحابی يخالفه؟ قال اتركوا قولی بقول الصحابی.

(القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید۔ ص63)

☆☆☆

جماعتی خبریں

یہ پھول یوں مہکتے رہیں!

محمد عبدالہادی عمری مدنی

جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے زیر انتظام مختلف شہروں میں مدارس سلفیہ کی شاخیں نوجوان نسل کو زیور علم سے آراستہ کرنے کے لیے مصروف کار ہیں، ان کے لیے ابتدا ہی سے مستقل نصاب تعلیم ترتیب دیا گیا ہے، جس میں کوشش کی گئی کہ کم سے کم وقت میں نونہالوں کے قلب و دماغ کو زیادہ سے زیادہ دینی معلومات سے آراستہ کیا جائے۔ طلبہ کے لیے نصابی کتب مرکز کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں اور ایک مناسب نظم کے تحت ان کے سالانہ امتحانات ہوتے ہیں۔ اسی اور نوے کی دہائیوں میں مرتب کردہ نصاب نوٹس کی شکل میں طلبہ کو دیا جاتا تھا، عقائد، حدیث، فقہ، سیرت وغیرہ پر مشتمل مضامین اردو زبان میں تھے۔

اس کی ایک اہم وجہ اس وقت مساجد میں زیر تعلیم طلبہ کی اکثریت کا پس منظر اردو سے ہی تھا، نیز والدین جو 60 اور 70 کی دہائیوں میں برطانیہ طلب روز گار کے لیے ہندو پاک سے آئے تھے ان کی اکثریت ان لوگوں کی تھی جو فیملی کے بغیر وارد ہوئے تھے، پھر مرور ایام کے ساتھ ان کے اہل وعیال بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے، یوں ان کے بچوں کا ابتدائی زمانہ اپنے اپنے علاقوں میں وہاں کے مدارس میں گزرا تھا، جہاں اردو ہی ذریعہ تعلیم تھی، ان کی اکثریت کے لیے اردو لکھنا پڑھنا نسبتاً آسان تھا، پھر اس پر مزید یہ کہ

والدین کی بھی شدید خواہش ہوتی کہ بچے اردو زبان سے مانوس رہیں تاکہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ رابطہ رکھنے میں سہولت ہو سکے، پھر بتدریج زبان کی یہ ضرورت اور سوچ بدلتی گئی، کیونکہ جو بچے یہاں آئے تھے اب ان کے بچے یعنی دوسری نسل مساجد کا رخ کر رہی تھی، ان کی زبان انگریزی تھی، ان کے لیے اردو میں پڑھنا اور سیکھنا ایسے ہی دشوار ہو رہا تھا، جیسے اردو والوں کے لیے انگریزی زبان سیکھنا، لہٰذا مدارس سلفیہ میں تیار کردہ نوٹس کی زبان بدلتی گئی اور ساتھ ہی مواد بھی بدلتا گیا۔

یہاں کی ضرورت کے مطابق زبان کے ساتھ ساتھ مواد میں بھی مناسب تبدیلی کی گئی۔ اس وقت شعبہ تعلیم کی جانب سے جو نصاب تیار کر کے شائع کیا گیا وہ اسی تبدیل شدہ ضرورت کا پہلا مرحلہ ہے، اس کی افادیت مسلم ہے، تاہم اس میں مزید آگے بڑھنے اور اگلے مرحلے کے لیے مواد تیار کرنے کی ضرورت ہے جو یہاں کے بدلتے ہوئے قوانین اور حالات کے مطابق ہو۔ ان جز وقتی قائم مدارس میں مستقل شعبہ حفظ بھی قائم ہے یہاں سے حفظ مکمل کر کے طلبہ سند فراغت پا رہے ہیں۔

گزشتہ ماہ اسکاٹ لینڈ کے علاقہ کلمازک سے دو بچوں نے حفظ مکمل کیا اور ہیلی فیکس میں قائم مدرسہ سلفیہ سے سات طلبہ نے تکمیل کا شرف حاصل کیا۔

اس مناسبت سے ایک پُر وقار تقریب جامع مسجد اہل حدیث ہیلی فیکس میں منعقد ہوئی، جس میں قرب وجوار کے کثیر تعداد میں مرد وخواتین نے شرکت کی، اس میں راقم کے علاوہ برادر وسیم، شیخ ابو عمر علی بصری نے شرکت کی۔

اس کلاس کے روح رواں الشیخ مصطفی ارسلان مصری ہیں اور اسی ماہ اولڈھم میں ایک طالب علم نے حفظ کیا۔

اولڈہم کی برانچ جمعیت کی قدیم برانچوں میں سے ایک ہے، اس میں تحفیظ القرآن کا شعبہ اپنی کارکردگی اور ذمہ داری کی دلچسپی کے باعث نمایاں حیثیت رکھتا ہے، اس کی عمدہ کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ

ماضی قریب میں 15 طلبہ نے حفظ مکمل کیا اور کچھ حفاظ تراویح میں قرآن مجید سنا رہے ہیں اور کچھ نے مدینہ یونیورسٹی کا رخ کیا، ماشاء اللہ چند تو نیک نامی کے ساتھ وہاں سے فارغ ہو کر واپس آئے اور دعوتی میدان میں سرگرم عمل ہیں اور کچھ ابھی زیر تعلیم ہیں۔

اس شعبہ کی حسن کارکردگی کا سہرہ ہر دلعزیز استاذ قاری عطاء الرحمٰن صاحب کے سر سجتا ہے، جنہوں نے شبانہ روز محنت سے اس شعبہ کو چار چاند لگائے۔

اس قسم کی تقاریب سب کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہے، جن میں مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ حفظ قرآن ایک مرحلہ ہے، یہاں رکنا مناسب نہیں۔ اس کے بعد کا مرحلہ فہم قرآن اور تعلق بالقرآن کی طرف توجہ اور کوشش نہایت ضروری ہے تاکہ ان کا حفظ بھی سلامت رہے اور عملی وابستگی بھی برقرار رہے۔

لوگ یہاں کے ماحول کی خرابیوں پر شکوہ کناں ہوتے ہیں لیکن اسی ماحول سے کھلنے اور مہکنے والے ان پھولوں کی طرف توجہ نہیں جاتی۔

☆☆☆